ماہنامہ
خالد
احمدی نوجوانوں کیلئے
اگست 2004ء
مدیر
منصور احمد نورالدین

ربوہ کی ٹیبل ٹینس اور سنوکر ٹیمیں

سنوکر ٹورنامنٹ کا ایک منظر

محترم صدر صاحب کا پیغام مجلس خدام الاحمدیہ کے نام

پیارے خدام بھائیو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے دورۂ افریقہ کے دوران نائیجیریا کے خدام کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:-

احمدیت کی تعلیم پر عمل پیرا ہوں۔ معاشرے کے برے اثرات سے بچیں اور اللہ تعالیٰ سے ذاتی تعلق پیدا کریں۔ تعلیمی میدان میں مقام پیدا کریں۔ اچھا سائنسدان، ڈاکٹر، انجینئر اور ماہر زراعت احمدی نوجوانوں سے ملنا چاہیے۔ سخت محنت کی عادت ڈالیں۔ سستیاں ترک کردیں۔ جہاں بھی کام کریں اس روح سے کام کریں تو کوئی مقابلہ نہیں کرسکے گا۔ نظام جماعت سے وفادار رہیں۔ اپنے عہد کے مطابق جان و مال اور وقت کی قربانی کے لئے تیار رہیں۔

(الفضل انٹرنیشنل ۱۴ تا ۲۰ رمئی ۲۰۰۴ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں حضور انور ایدہ اللہ کی ان نصائح پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

والسلام

خاکسار

سید محمود احمد

صدر مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

احمدی نوجوانوں کے لئے

ماہنامہ خالد

اگست 2004ء
ظہور 1383 ہش

جلد 51
شمارہ نمبر 8

monthlykhalid52@yahoo.com

اس شمارے میں

اداریہ	مدیر کے قلم سے	2
سیرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۔ حبُّ الوطنی	مکرم لئیق احمد ناصر چودھری	3
سیرت حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۔ اک نشاں کافی ہے	مکرم شفیق احمد بجہ صاحب	5
مجھ کو بس ہے میرا مولا، میرا مولا مجھ کو بس (نظم)	مکرم میر محمود احمد ناصر صاحب	8
مشعلِ راہ	مرسلہ: مکرم طارق محمود بلوچ صاحب	9
قرار دادِ تعزیت	ممبران صدر انجمن احمدیہ پاکستان	12
دورۂ افریقہ	مکرم عبد الحق بدر صاحب	13
درس حدیث ۔ سورۃ فاتحہ	مکرم میر محمود احمد ناصر صاحب	19
حضرت مولوی محمد صادق صاحب	مکرم غلام مصباح بلوچ صاحب	25
موئن جوڈرو	مکرم حبدار علی ٹوٹانی صاحب	29
رپورٹ ٹیبل ٹینس وسنوکر ٹورنامنٹ	مکرم ہمایوں شیخ صاحب	35
الفارابی	مکرم طاہر احمد مختار صاحب	37
کافی	مرسلہ: مکرم کاشف عمران خالد صاحب	43

کمپوزنگ: اقبال احمد زبیر ٹائٹل ڈیزائننگ: شیخ خالد محمود پانی پتی پبلشر: قمر احمد محمود مینیجر: عزیز احمد پرنٹر: سلطان احمد ڈوگر

مطبع: ضیاء الاسلام پریس چناب نگر (ربوہ) مقام اشاعت: ایوان محمود دارالصدر جنوبی قیمت ۱۰ روپے ۔۔۔۔ سالانہ ۱۰۰ روپے

PH: +92 4524 212349- 212685 FAX: +92 4524 213091

اداریہ

دعائیں

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مسند خلافت پر متمکن ہوتے ہی جماعت احمدیہ عالمگیر کو جو پہلی تحریک فرمائی وہ دعا کی تھی۔ اس سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جماعت احمدیہ اب جس دور سے گذر رہی ہے اس میں سب سے زیادہ اہمیت دعا کی ہے۔ کیونکہ یہی وہ ہتھیار ہے کہ جس کے ساتھ ہم نے اپنی تربیت کرنی ہے، اپنا روحانی مقام بلند کرنا ہے، تمام دنیا کو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے لانا ہے۔ پس آیئے دعا کا ہتھیار تھام کر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی قیادت میں اپنے روحانی اور اخلاقی معیار کو بلند سے بلند تر کرتے چلے جائیں۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:۔

"جتنی زیادہ تعداد میں ایسی دعائیں کرنے والے ہماری جماعت میں پیدا ہوں گے اتنا ہی جماعت کا روحانی معیار بلند ہوگا اور ہوتا چلا جائے گا۔ خلیفۂ وقت کو بھی آپ کی دعاؤں سے مدد ملتی چلی جائے گی اور جب یہ دونوں مل کر ایک تیز دھارے کی شکل اختیار کریں گے تو پھر انشاء اللہ تعالیٰ فتوحات کے دروازے بھی کھلتے چلے جائیں گے۔ پس ہمارے ہتھیار دعائیں ہیں جن سے ہم نے فتح پانی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ ہتھیار جلد سے جلد حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے"۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۸ نومبر ۲۰۰۳ء مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل لندن ۲۳ جنوری ۲۰۰۴ء)

حبُّ الوطنی

(مکرم لئیق احمد ناصر چودھری۔ کھاریاں)

اسلام ایک دینِ فطرت ہے۔ ایک ایسا ضابطۂ حیات ہے جو فطرتِ انسانی کے تمام تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ حبُّ الوطنی بھی ایک ایسا جذبہ ہے جو انسانی فطرت میں شامل ہے۔ کوئی بھی انسان خواہ وہ گھاس پھوس کی کٹیا میں رہتا ہو خواہ کسی شیش محل میں، کسی پس ماندہ گاؤں میں رہتا ہو یا شہر میں، تیسری دنیا کے کسی ملک کا شہری ہو یا ترقی یافتہ ملک کا باسی ہر کسی کو اپنے وطن، اپنے ماحول اور اپنے معاشرے سے ایک خاص محبت، پیار اور لگاؤ ہوتا ہے جس کو کبھی بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ پس ضروری تھا کہ دین فطرت ہونے کے لحاظ سے اسلام بھی کوئی ایسی تعلیم دیتا یا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اسوۂ حسنہ سے کوئی ایسا نمونہ پیش کرتے جس سے اس جذبہ کی تسکین ہوتی۔

چنانچہ جب اس نظر سے ہم سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کرتے ہیں تو انسانِ کامل ہونے کی حیثیت سے حبُّ الوطنی کا جو نمونہ آپ نے دکھایا وہ اُس سے پہلے نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم میں جذبۂ حبُّ الوطنی اس قدر تھا کہ آپ نے اپنے اُن اہلِ وطن کے لئے بھی کبھی بددُعا نہ کی جو آپ کی جان کے دُشمن تھے جنہوں نے آپ کو ایذا دینے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی یہاں تک کہ آپ کو اپنے پیارے وطن مکہ سے نکال دیا گیا۔ آپ کی مکہ سے محبت کا اندازہ اس حدیث سے ہوتا ہے کہ آپ مکہ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔

''خدا کی قسم تو اللہ کی سب سے بہتر اور پیاری زمین ہے اگر مجھے یہاں سے نکالا نہ جاتا تو میں خود کبھی یہاں سے نہ نکلتا''۔ (مستدرک علی الصحیحین جلد۳ صفحہ ۴۸۹)

ان جانی دشمن اہل وطن لوگوں کے لئے بد دعا تو درکنار آپ نے پیارے وطن سے نکالے جانے کے باوجود ہر مشکل اور تکلیف میں اُن کی مدد کی۔ چنانچہ بخاری کتاب التفسیر سورہ دخان میں ایک حدیث ملتی ہے جس میں یہ ذکر ہے:۔

ایک دفعہ مکہ میں اتنا سخت قحط پڑا کہ لوگ مردہ جانوروں کی ہڈیاں تک کھانے لگے۔ بھوک کی وجہ سے لوگوں کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا جاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر قسم کی ایذا پہنچانے کے باوجود ان کو آپ کی حبُّ الوطنی پر پورا یقین تھا اور آپ سے بڑھ کر کوئی محبِّ وطن اُن کو نظر نہ آیا۔

چنانچہ ابوسفیان کو اہل مکہ نے اپنا نمائندہ بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور اہل وطن کا واسطہ دے کر عرض کی۔ اے محمدؐ! آپ کی قوم ہلاک ہو رہی ہے آپ، اُن کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ بارشیں ہوں اور قحط سالی دور ہو۔ آپ کے دل میں اہل وطن کی محبت کا کچھ ایسا خیال آیا کہ آپ نے بارش اور قحط سالی کے دور ہونے کے لئے دعا کی۔ آپ کی اس دعا کے نتیجے میں خوب بارشیں ہوئیں اور قحط سالی دور ہوگئی۔

اس واقعہ کا ذکر صحیح مسلم میں بھی ملتا ہے۔ بعض روایات میں یہ ذکر بھی ملتا ہے کہ اس قحط میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے چندہ اکٹھا کر کے پانچ سو دینار بھی اہل مکہ کی امداد کے لئے بھجوائے۔

(المبسوط. شمس الدین سرخسی جلد ۱۰ صفحہ ۹۲)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر عربوں کی آزادی کے دن کو یاد کر کے خوش ہوتے۔ چنانچہ التاریخ الکبیر جلد ۸ صفحہ ۳۱۳ پر درج ہے کہ:۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوم ذی قار الیوم انتصف العرب فیه من العجم یہ یوم آزادی ہے آج کے دن ہی عرب نے خود کو عجم سے الگ کیا یعنی آزادی حاصل کی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں وطن کی محبت کس قدر تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے اور نمایاں ہو جاتا ہے۔ ہجرت کے بعد قبیلہ غفار کا ایک شخص مکہ سے مدینہ آیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا کہ مکہ کا کیا حال تھا؟ اس نے جواب دیا کہ سرزمین مکہ کے دامن سرسبز و شاداب تھے۔ اس کے چٹیل میدان میں اذخر گھاس خوب جُوبَن پر تھی اور کیکر کے درخت اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں وطن کی محبت نے جوش مارا اور مکہ کی یاد ستائی تو فرمایا: بس کرو۔ مکہ کے مزید احوال بتا کر ہمیں غمگین نہ کرو۔

ایک اور روایت میں ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو نے دلوں کو ٹھنڈا کر دیا۔

(المقاصد الحسنہ از علامہ عبدالرحمان سخاوی صفحہ ۲۹۸)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں وطن کی محبت کا یہ جذبہ شروع سے ہی تھا۔ اس بات کا اندازہ آپ کے دفاعِ وطن کے اس واقعہ سے ہوتا ہے جس کا ذکر حضرت مرزا بشیر احمد صاحب سیرت خاتم النبیین صفحہ ۱۰۴ میں سیرت ابن ہشام کے حوالہ سے ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

''چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ابھی بچپن ہی تھا تو..........قبائل قیس عیلان اور بنو کنانہ کے درمیان کچھ چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی..........اور بالآخر لڑائی تک نوبت پہنچ گئی۔ غرض یہ جنگ ایسے زور شور سے ہوئی کہ زمانۂ جاہلیت کی جنگوں میں خاص شہرت رکھتی ہے۔ بنو کنانہ بشمولیت قبیلہ قریش ایک طرف تھے اور قیس عیلان بشمولیت قبیلہ ہوازن دوسری طرف۔ اس جنگ کی سب سے خطرناک آخری لڑائی تھی جو حربِ فجار کی چوتھی لڑائی کہلاتی ہے۔ اس لڑائی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے۔ مگر بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے خود قتال نہیں کیا بلکہ آپ کی شرکت صرف اس حد تک محدود تھی کہ آپ فوج میں شامل تھے اور چچاؤں کو تیر پکڑاتے جاتے تھے۔ اس وقت آپ کی عمر بیس سال کے قریب تھی.....''

پس دین فطرت ہونے کے ناطے اسلام نے انسان کے اس حب الوطنی کے جذبہ کو اس قدر فطری، طبعی اور سچا سمجھا ہے اور اس کا اس قدر احترام کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وطن کے ساتھ محبت اور وفا کو ایمان کا ایک حصہ قرار دے دیا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

''حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ''

(کشف الخفا جلد ۱ صفحہ ۴۱۳۔ المصنوع جلد ۱ صفحہ ۹۱۔ تشیید المبانی صفحہ ۲۵)

سیرت حضرت مسیح موعود علیہ السلام

اک نشاں کافی ہے......

(مکرم شفیق احمد ججہ صاحب)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام خدا تعالیٰ سے کامل تعلق پیدا کرنے والے اصفیاء اور کاملین کے بارے میں بیان فرماتے ہیں:-

''اسی طرح اس کی پیشانی کو ایک نور عطا کیا جاتا ہے جو بجز عشاق الٰہی کے اور کسی کو نہیں دیا جاتا اور بعض خاص وقتوں میں وہ نور ایسا چمکتا ہے کہ ایک کافر بھی اُس کو محسوس کرسکتا ہے۔ بالخصوص ایسی حالت میں جب کہ وہ لوگ ستائے جاتے اور نصرت الٰہی حاصل کرنے کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ پس وہ اقبال علی اللہ کا وقت اُن کے لئے ایک خاص وقت ہوتا ہے اور خدا کا نور اُن کی پیشانی میں اپنا جلوہ ظاہر کرتا ہے۔

ایسا ہی ان کے ہاتھوں میں اور پیروں میں اور تمام بدن میں ایک برکت دی جاتی ہے جس کی وجہ سے اُن کا پہنا ہوا کپڑا بھی متبرک ہو جاتا ہے۔ اور اکثر اوقات کسی شخص کو چھونا یا اُس کو ہاتھ لگانا اس کے امراض روحانی یا جسمانی کے ازالہ کا موجب ٹھہرتا ہے۔

اسی طرح اُن کے رہنے کے مکانات میں بھی خدائے عزوجل ایک برکت رکھ دیتا ہے وہ مکان بلاؤں سے محفوظ رہتا ہے۔ خدا کے فرشتے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔

اسی طرح ان کے شہر یا گاؤں میں بھی ایک برکت اور خصوصیت دی جاتی ہے۔ اسی طرح اُس خاک کو بھی کچھ برکت دی جاتی ہے جس پر ان کا قدم پڑتا ہے۔

اسی طرح اس درجہ کے لوگوں کی تمام خواہشیں بھی اکثر اوقات پیشگوئی کا رنگ پیدا کر لیتی ہیں یعنی جب کسی چیز کے کھانے پینے یا پہننے یا دیکھنے کی بشدت اُن کے اندر خواہش پیدا ہوتی ہے تو وہ خواہش ہی پیشگوئی کی صورت پکڑ لیتی ہے۔ اور جب قبل از وقت اضطرار کے ساتھ اُن کے دل میں ایک خواہش پیدا ہوتی ہے تو وہ چیز میسر آجاتی ہے''۔ (حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد ۲۲۔ صفحہ ۱۹)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے حضرت اماں جان سے روایت کرتے ہیں:-

ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے باغ میں پھر رہے تھے۔ جب آپ سنگترہ کے ایک درخت کے پاس سے گذرے تو میں نے (یعنی والدہ صاحبہ نے) یا کسی اور نے فرمایا کہ کیا تم نے سنگترہ لینا ہے؟ والدہ صاحبہ نے یا اس شخص نے کہا کہ ہاں لینا ہے۔ اس پر حضرت صاحب نے اس درخت کی شاخوں پر ہاتھ مارا۔ اور جب آپ کا ہاتھ شاخوں سے الگ ہوا تو آپ کے ہاتھ میں ایک سنگترہ تھا اور آپ نے فرمایا یہ لو۔

خاکسار نے والدہ صاحبہ سے دریافت کیا کہ وہ سنگترہ کیسا

تھا؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ زرد رنگ کا پکا ہوا سنگترہ تھا۔ مَیں نے پوچھا۔ کیا پھر آپ نے اسے کھایا؟ والدہ صاحبہ نے کہا یہ مجھے یاد نہیں۔ مَیں نے دریافت کیا کہ حضرت صاحب نے کس طرح ہاتھ مارا تھا؟ اس پر والدہ صاحبہ نے اس طرح ہاتھ مار کر دکھایا اور کہا کہ جس طرح پھل توڑنے والے کا ہاتھ درخت پر ٹھہرتا ہے۔ اس طرح آپ کا ہاتھ شاخوں پر نہیں ٹھہرا بلکہ آپ نے ہاتھ مارا اور فوراً لوٹا لیا۔ خاکسار نے دریافت کیا کہ کیا اس وقت سنگترہ کا موسم تھا؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ نہیں اور وہ درخت بالکل پھل سے خالی تھا۔

(سیرت المہدی از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب۔ جلد اوّل صفحہ ۴)

حضرت اماں جان بیان کرتی ہیں کہ:۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیان فرمایا کہ ایک دفعہ جب میں کسی سفر سے واپس قادیان آ رہا تھا تو مَیں نے بٹالہ پہنچ کر قادیان کے لئے یکہ کرایہ پر کیا۔ اس یکہ میں ایک ہندو سواری بھی بیٹھنے والی تھی۔ جب ہم سوار ہونے لگے تو وہ ہندو جلدی کر کے اُس طرف چڑھ گیا۔ جو سورج کے رُخ سے دوسری جانب تھی اور مجھے سورج کے سامنے بیٹھنا پڑا۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ جب ہم شہر سے نکلے تو ناگاہ بادل کا ایک ٹکڑا اُٹھا اور میرے اَور سورج کے درمیان آ گیا اور ساتھ ساتھ آیا۔ اس پر اس ہندو نے بہت معذرت کی اور شرمندہ ہوا۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ وہ گرمی کے دن تھے۔

(سیرت المہدی۔ جلد اوّل صفحہ ۵)

حضرت مولوی شیر علی صاحب نے فرمایا کہ:۔

ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام قادیان سے گورداسپور جاتے ہوئے بٹالہ ٹھہرے۔ وہاں کوئی مہمان جو آپ کی تلاش میں قادیان سے ہوتا ہوا بٹالہ واپس آیا تھا آپ کے پاس کچھ پھل بطور تحفہ لایا۔ پھلوں میں انگور بھی تھے۔ آپ نے انگور کھائے اور فرمایا انگور میں ترشی ہوتی ہے مگر یہ ترشی نزلہ کے لئے مضر نہیں ہوتی۔ پھر آپ نے فرمایا ابھی میرا دل انگور کو چاہتا تھا۔ سو خدا نے بھیج دیئے۔ فرمایا۔ کئی دفعہ مَیں نے تجربہ کیا ہے کہ جس چیز کو دل چاہتا ہے۔ اللہ اُسے مہیا کر دیتا ہے۔ پھر ایک دفعہ سنایا کہ مَیں ایک سفر میں جا رہا تھا۔ کہ میرے دل میں پونڈے گنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ مگر وہاں راستہ میں کوئی گنا میسر نہیں تھا۔ مگر اللہ کی قدرت کہ تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص ہم کو مل گیا جس کے پاس پونڈے تھے۔ اس سے ہم کو پونڈے مل گئے۔ (سیرت المہدی۔ جلد اوّل صفحہ ۲۸)

حضرت میاں عبداللہ صاحب سنوری بیان کرتے ہیں کہ:۔

ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے چند مہمانوں کی دعوت کی اور ان کے واسطے گھر میں کھانا تیار کروایا۔ مگر عین جس وقت کھانے کا وقت آیا اتنے ہی اَور مہمان آ گئے اور (بیت) مبارک مہمانوں سے بھر گئی۔ حضرت صاحب نے اندر کہلا بھیجا کہ اور مہمان آ گئے ہیں کھانا زیادہ بھجواؤ۔ اس پر حضرت اماں جان نے حضرت صاحب کو اندر بلوا بھیجا اور کہا کہ کھانا تو تھوڑا ہے۔ صرف ان چند مہمانوں کے مطابق پکایا گیا تھا۔ جن کے واسطے آپ نے فرمایا تھا۔ مگر شاید باقی کھانے کا تو کچھ کھینچ تان کر انتظام ہو سکے گا۔ لیکن زردہ تو بہت ہی تھوڑا ہے۔ اس کا کیا کیا جاوے۔ میرا خیال ہے کہ

زردہ بھجواتی ہی نہیں۔ صرف باقی کھانا نکال دیتی ہوں۔ حضرت صاحب نے فرمایا۔ نہیں یہ مناسب نہیں۔ تم زردہ کا برتن میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ حضرت صاحب نے اس برتن پر رُومال ڈھانک دیا اور پھر رومال کے نیچے اپنا ہاتھ گزار کر اپنی انگلیاں زردہ میں داخل کر دیں اور پھر فرمایا اب تم سب کے واسطے کھانا نکالو خدا برکت دے گا۔ چنانچہ میاں عبداللہ صاحب کہتے ہیں کہ زردہ سب کے واسطے آیا اور سب نے کھایا اور پھر کچھ بچ بھی گیا۔ (سیرت المہدی۔ جلد اوّل صفحہ ۱۴۷)

حضرت اماں جان نے ایک واقعہ بیان کیا کہ:-

ایک دفعہ کوئی شخص حضرت صاحب کے واسطے ایک مرغ لایا۔ مَیں نے حضرت صاحب کے واسطے اس کا پلاؤ تیار کرایا اور پلاؤ اتنا ہی تھا کہ بس حضرت صاحب ہی کے واسطے تیار کروایا تھا۔ مگر اسی دن اتفاق ایسا ہوا کہ نواب صاحب نے گھر میں دھونی دلوائی۔ تو نواب صاحب کی بیوی بچے بھی اِدھر ہمارے گھر آ گئے۔ اور حضرت صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ ان کو بھی کھانا کھلاؤ۔ مَیں نے کہا کہ چاول تو بالکل ہی تھوڑے ہیں۔ صرف آپ کے واسطے تیار کروائے تھے۔ حضرت صاحب نے فرمایا چاول کہاں ہیں۔ پھر حضرت صاحب نے چاولوں کے پاس آ کر ان پر دَم کیا اور فرمایا اب تقسیم کر دو۔ حضرت اماں جان بیان کرتی ہیں کہ ان چاولوں میں ایسی برکت ہوئی کہ نواب صاحب کے سارے گھر نے کھائے اور پھر بڑے مولوی صاحب (یعنی حضرت مولوی نورالدین صاحب) اور مولوی عبدالکریم صاحب کو بھی بھجوائے گئے اور قادیان میں اور بھی کئی لوگوں کو دیئے گئے۔ اور چونکہ وہ برکت

خدا کے پاک لوگوں کو خدا سے نصرت آتی ہے
جب آتی ہے تو پھر عالَم کو اِک عالَم دکھاتی ہے
وہ بنتی ہے ہوا اور ہر خسِ رہ کو اُڑاتی ہے
وہ ہو جاتی ہے آگ اور ہر مخالف کو جلاتی ہے
کبھی وہ خاک ہو کر دشمنوں کے سر پہ پڑتی ہے
کبھی ہو کر وہ پانی اُن پہ اِک طوفان لاتی ہے
غرض رکتے نہیں ہرگز خدا کے کام بندوں سے
بھلا خالق کے آگے خَلق کی کچھ پیش جاتی ہے
(درثمین)

والے چاول مشہور ہو گئے تھے۔ اس لئے کئی لوگوں نے آ آ کر ہم سے مانگے اور ہم نے سب کو تھوڑے تھوڑے تقسیم کئے اور وہ سب کے لئے کافی ہو گئے۔ (سیرت المہدی۔ جلد اوّل صفحہ ۱۴۸)

حافظ روشن علی صاحب بیان کرتے ہیں کہ ان سے ڈاکٹر محمد اسماعیل خان صاحب مرحوم نے بیان کیا تھا کہ:-

ایک دفعہ جب کوئی جلسہ وغیرہ کا موقع تھا اور ہم لوگ حضرت صاحب کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ مہمانوں کیلئے باہر پلاؤ زردہ وغیرہ پک رہا تھا کہ حضرت صاحب کے واسطے اندر سے کھانا آ گیا ہم سمجھتے تھے کہ یہ بہت عمدہ کھانا ہو گا۔ لیکن دیکھا تو تھوڑا سا خشکہ تھا اور کچھ دال تھی اور صرف ایک آدمی کی مقدار کا کھانا تھا۔ حضرت صاحب نے ہم لوگوں سے فرمایا آپ بھی کھانا کھا لیں۔ چنانچہ ہم بھی ساتھ شامل ہو گئے۔ حافظ صاحب کہتے تھے کہ ڈاکٹر صاحب بیان کرتے تھے کہ اس کھانے سے ہم سب سیر ہو گئے۔ (سیرت المہدی۔ جلد اوّل صفحہ ۱۴۹)

❊❊❊

مجھ کو بس ہے میرا مولا، میرا مولا مجھ کو بس

(حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے خطبہ جمعہ فرمودہ مؤرخہ ۲۱ مئی ۲۰۰۴ء کو مکرم میر محمود احمد ناصر صاحب کی اس نظم کا آخری شعر بیان فرمایا)

از سر نو ناصر و طاہر کی شفقت دیکھ لی
جو تھی ماضی کی محبت وہ محبت دیکھ لی

ہم نے دیکھا بارشِ لطف و کرم کو بار بار
صاحبِ لطف و کرم کی یہ کرامت دیکھ لی

جو نظر آتے تھے سادہ اور بہت سادہ مزاج
تھی پسِ پردہ ذہانت وہ ذہانت دیکھ لی

گرچہ مصروفِ عمل تھے روز و شب، صبح و مسا
ہم نے مصروفِ عمل کی بھی عبادت دیکھ لی

گزرے حاتم کی سخاوت کا کیا کرتے ہیں ذکر
وقت کے حاتم کی خود ہم نے سخاوت دیکھ لی

سادگی ہی سادگی تھی دیکھنے میں ظاہراً
سادگی میں بھی مگر ہم نے نفاست دیکھ لی

گو ملاحت اور صباحت حسن کے پہلو ہیں دو
ایک جا ہم نے ملاحت اور صباحت دیکھ لی

کام تھے الجھے ہوئے اور سلسلہ در سلسلہ
مومنانہ تھی فراست جو فراست دیکھ لی

مجھ کو بس ہے میرا مولا، میرا مولا مجھ کو بس
''کیا خدا کافی نہیں ہے'' کی شہادت دیکھ لی

مشعلِ راہ

(مرسلہ: طارق محمود بلوچ)

مولیٰ بس

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:۔

''مکرم میر محمود احمد صاحب نے ایک شعر کہا۔

مجھ کو بس ہے میرا مولیٰ ، میرا مولیٰ مجھ کو بس

'کیا خدا کافی نہیں ہے' کی شہادت دیکھ لی

اس کی بیک گراؤنڈ جو میں سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ ایک تو 'کیا خدا کافی نہیں' کی شہادت 'اَلَیْسَ اللّٰہُ' کی انگوٹھی ہے جو خلیفۃ المسیح کو ملتی ہے۔ اس کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تین انگوٹھیاں تھیں جو آپؑ کے تین بیٹوں کو ملیں۔ اور جو 'مولیٰ بس' کی انگوٹھی تھی (ایک انگوٹھی جس پر 'مولیٰ بس' کا الہام کندہ تھا) وہ حضرت مرزا شریف احمد صاحب (اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو) کے حصہ میں آئی تھی اور یہ میں نے پہنی ہوئی ہے۔ اس کے بعد میرے والد صاحب حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب کو ملی اور ان کی وفات کے بعد میری والدہ نے مجھے دے دی۔ میں تو اس کو بڑی سنبھال کے رکھتا تھا، پہنتا نہیں تھا لیکن انتخاب خلافت کے بعد میں نے یہ پہننی شروع کی ہے۔ تو 'مولیٰ بس' کے نظارے اور 'کیا خدا کافی نہیں ہے' کے نظارے مجھے تو ہر لحہ نظر آتے ہیں کیونکہ اگر ویسے میں دیکھوں تو میری کوئی حیثیت نہیں ہے۔

لوگوں کے دلوں میں محبت اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے۔ کوئی انسان محبت پیدا نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ مخالفوں کی دو جھوٹی خوشیوں کو پامال کر کے دکھا دے۔ تو مخالفوں کی خوشیوں کو اللہ تعالیٰ نے کس طرح پامال کیا۔ اب بھی بعض مخالفین شور مچاتے ہیں، منافقین بھی بعض باتیں کر جاتے ہیں۔ وہ چاہے جتنا مرضی شور مچا لیں، جتنا مرضی زور لگا لیں، خلافت اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہے اور جب تک اللہ چاہے گا یہ رہے گی اور جب چاہے گا مجھے اٹھالے گا اور کوئی نیا خلیفہ آ جائے گا۔ لیکن حضرت خلیفہ اول (اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو) کے الفاظ میں مَیں کہتا ہوں کہ کسی انسان کے بس کی بات نہیں کہ وہ ہٹا سکے یا فتنہ پیدا کر سکے۔ جماعت اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت مضبوط ہے اور ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ہے۔ افریقہ میں بھی مَیں دورہ پر گیا ہوں ایسے لوگ جنہوں نے کبھی دیکھا نہیں تھا اس طرح ٹوٹ کر انہوں نے محبت کا اظہار کیا ہے جس طرح برسوں کے بچھڑے ملے ہوتے ہیں۔ یہ سب کیا ہے؟ جس طرح ان کے چہروں پر خوشی کا اظہار میں نے دیکھا ہے، یہ سب کیا

ہے؟ جس طرح سفر کی صعوبتیں اور تکلیفیں برداشت کر کے وہ لوگ آئے، یہ سب کچھ کیا ہے؟ کیا دنیا دکھاوے کے لئے یہ سب خلافت سے محبت ہے جوان دور دراز علاقوں میں رہنے والے لوگوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے۔ تو جس چیز کو اللہ تعالیٰ پیدا کر رہا ہے وہ انسانی کوششوں سے کہاں نکل سکتی ہے۔ جتنا مرضی کوئی چاہے، زور لگا لے۔ عورتوں، بچوں، بوڑھوں کو باقاعدہ میں نے آنسوؤں سے روتے دیکھا ہے۔ تو یہ سب محبت ہی ہے جو خلافت کی ان کے دلوں میں قائم ہے۔ بچے اس طرح بعض دفعہ دائیں بائیں سے نکل کے سیکیورٹی کو توڑتے ہوئے آ کے چمٹ جاتے تھے۔ وہ محبت تو اللہ تعالیٰ نے بچوں کے دل میں پیدا کی ہے، کسی کے کہنے پہ تو نہیں آ سکتے۔ اور پھر ان کے ماں باپ اور دوسرے اردگرد لوگ جو اکٹھے ہوتے تھے ان کی محبت بھی دیکھنے والی ہوتی تھی۔ پھر اس بچے کو اس لئے وہ پیار کرتے تھے کہ تم خلیفۂ وقت سے چمٹ کے اور اس سے پیار لے کر آئے ہو۔ یہ سب باتیں احمدیت کی سچائی کی دلیل ہیں۔ اگر کسی کی نظر ہو دیکھنے کی تبھی دیکھ سکتا ہے۔ چند لوگ اگر مرتد ہوتے ہیں یا منافقانہ باتیں کرتے ہیں تو ان کی ہمیں کوئی پرواہ نہیں ہے۔ ایک بدفطرت اگر جاتا ہے تو جائے، اچھا ہے 'خس کم جہاں پاک'۔ وہ اپنے بدانجام کی طرف قدم بڑھا رہا ہے وہی اس کا انجام مقدر تھا جس کی طرف جا رہا ہے۔ لیکن جب، اس کے مقابل پر، ایک جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ سینکڑوں سعید روحوں کو احمدیت میں داخل کرتا ہے''۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۱ رمئی ۲۰۰۴ء مطبوعہ۔ الفضل انٹرنیشنل ۴ تا ۱۰ رجون ۲۰۰۴ء)

مستقبل کی حفاظت

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ باقی رہنے والی چیز نیکی ہے، نیک اعمال ہیں، اللہ تعالیٰ کی خشیت ہے، اس کی عبادت کرنا ہے۔ اس لئے تم اس کے عبادت گزار بندے بنو، اگر اس کی رضا حاصل کرنی ہے۔ یہ دنیا تو چند روزہ ہے۔ کوئی زیادہ سے زیادہ سو سال زندہ رہ لے گا اس کے بعد انسان نے مر کر اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا ہے۔ اس لئے آخرت کے لئے دولت اکٹھی کرو بجائے اس دنیا میں دولت بنانے کے۔ فرمایا کہ اگر یہ سوچ پیدا کر لو گے تو یہی مال اور دولت اور بیٹے اور وسیع کاروبار تمہارے لئے ایک بہترین اثاثہ بن جائیں گے۔ کیونکہ جو شخص اپنے مال و دولت کے ساتھ خدمت دین بھی کر رہا ہو اپنے ملک و قوم کی خدمت بھی کر رہا ہو، انسانیت کی خدمت بھی کر رہا ہو تو سمجھ لو کہ تم نے اپنے رب سے بہترین چیز حاصل کر لی اور ایسی چیزیں حاصل کر لیں جو مرنے کے بعد بھی تمہارے کام آئیں گی۔ اور اگر یہی وصف اپنی اولاد میں پیدا کر دو تو پھر دنیا نہ صرف تمہاری تعریف کر رہی ہوگی بلکہ تمہارے آباء و اجداد کے لئے بھی دعا کر رہی ہوگی، تمہارے لئے بھی دعا کرے گی اور تمہاری اولادوں کے لئے بھی دعا کرے گی۔ اس سے تمہاری نیکیوں میں اور اضافہ ہوتا چلا جائے گا اور تمہاری آخرت مزید سنورتی چلی جائے گی۔ تو یہ سوچ اور کوشش ہر مومن کی ہونی چاہیے، جس کو نہ صرف اپنی فکر ہے بلکہ اپنی نسلوں کی بھی فکر رہے۔ یہ سوچو کہ دنیا بھی کماؤ لیکن مقصد صرف اور صرف دنیا نہ ہو بلکہ جہاں اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق کا سوال پیدا ہوتا ہو تو اس وقت دنیا سے مکمل بے رغبتی ہو۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۷ رمئی ۲۰۰۴ء۔ مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل ۲۱ تا ۲۷ رمئی ۲۰۰۴ء)

مالی قربانی

''اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت میں ہزاروں کی تعداد میں ایسے ہیں جو خرچ کرنے والے سخی کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں اور کوشش یہ ہوتی ہے کہ اپنے اخراجات کم کریں اور اپنے معیارِ قربانی کو بڑھائیں اور عموماً کم آمدنی والے لوگ قربانی کے یہ معیار حاصل کرنے کی زیادہ کوشش کرتے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ بعض لوگ اندازے سے بجٹ لکھوادیتے ہیں خاص طور پر ہماری جماعت میں زمیندار طبقہ ہے ان کو صحیح طرح پتہ نہیں ہوتا اور خاص طور پر پاکستان میں زمینداری کا انحصار نہری علاقوں میں جہاں جاگیرداروں اور وڈیروں نے پانی پر مکمل طور پر قبضہ کیا ہوتا ہے اور اپنی زمینیں سیراب کررہے ہوتے ہیں پانی کو آگے نہیں جانے دیتے اور چھوٹے زمیندار بیچارے پانی نہ ملنے کی وجہ سے نقصان اٹھارہے ہوتے ہیں۔(آپ میں سے اکثر یہاں زمینداروں میں سے بھی آئے ہوئے ہیں خوب اندازہ ہوگا) تو نتیجۃً ان کی فصلیں بھی اچھی نہیں ہوتیں لیکن ایسے مخلصین بھی ہیں کیونکہ بجٹ لکھوادیا ہوتا ہے اس لئے قرض لے کر بھی اس کی ادائیگی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور جب ان کو کہا جائے کہ رعایت شرح لے لو کیونکہ اگر آمد نہیں ہوتی تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے تو کہتے ہیں کہ اگر قرض لے کر ہم اپنی ذات پہ خرچ کرسکتے ہیں تو قرض لے کر اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے وعدے کو پورا کیوں نہیں کرسکتے اور ان کا یہی نقطۂ نظر ہوتا ہے کہ شاید اس وجہ سے اللہ تعالیٰ ہماری آئندہ فصلوں میں برکت ڈال دے۔ لیکن بعض لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے۔ بہرحال یہ تو ہر ایک کا اللہ تعالیٰ سے معاملہ ہے، توکل کا معاملہ ہے، ہر ایک کا اپنا اپنا معیار ہوتا ہے اس لئے مَیں یہ تو نہیں کہتا کہ قرض لے کر اپنے چندے ادا کرو۔ طاقت سے بڑھ کر بھی اپنے اوپر تکلیف وارد نہیں کرنی چاہیے، اپنے آپ کو تکلیف میں نہیں ڈالنا چاہیے۔ لیکن جہاں تک اخراجات میں کمی کرکے اپنے اخراجات کو، ایسے اخراجات کو جن کے بغیر بھی گزارا ہوسکتا ہے جو ملتوی کئے جاسکتے ہوں ان کو ٹالا جاسکتا ہو ان کو ٹال کر اپنے چندے ضرور ادا کرنے چاہئیں، خاص طور پر موصی صاحبان کے لئے مَیں یہاں کہتا ہوں، ان کو تو خاص طور پر اس بارے میں بڑی احتیاط کرنی چاہیے۔ اس انتظار میں نہ بیٹھے رہیں کہ دفتر ہمارا حساب بھیجے گا یا شعبہ مال یاد کروائے گا تو پھر ہم نے چندہ ادا کرنا ہے۔ کیونکہ پھر یہ بڑھتے بڑھتے اس قدر ہوجاتا ہے کہ پھر دینے میں مشکل پیش آتی ہے۔ چندے کی ادائیگی میں مشکل پیش آتی ہے۔ پھر اتنی طاقت ہی نہیں رہتی کہ یکمشت چندہ ادا کرسکیں۔ اور پھر یہ لکھتے ہیں کہ کچھ رعایت کی جائے اور رعایت کی قسطیں بھی اگر مقرر کی جائیں تو وہ چھ ماہ سے زیادہ کی تو نہیں ہوسکتیں۔ اس طرح خاص طور پر موصیان کی وصیت پر زد پڑتی ہے۔ تو پھر ظاہر ہے ان کو تکلیف بھی ہوتی ہے اور پھر اس تکلیف کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ تو اس لئے پہلے ہی چاہیے کہ سوچ سمجھ کر اپنے حسابات صاف رکھیں اور اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔ اور جب بھی آمد ہو اس آمد میں جو حصہ بھی ہے نکالیں، موصی صاحبان بھی اور دوسرے کمانے والے بھی جنہوں نے چندہ عام دینا ہے، 1/16 حصہ، اپنا چندہ اپنی آمد میں سے ساتھ کے ساتھ ادا کرتے رہا کریں۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۸ مئی ۲۰۰۴ء۔ مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل ۱۱ تا ۱۷ جون ۲۰۰۴ء)

قراردادِ تعزیت

ہم جملہ ممبران صدرانجمن احمدیہ پاکستان حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کی وفات پر حضرت مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اور حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کی اولاد، بھائیوں اور جملہ افرادِ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں دل کی گہرائیوں سے اظہار تعزیت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے اور آپ کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔ آمین

حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب...... کے دوسرے فرزند تھے۔ آپ حضرت ام ناصر محمودہ بیگم صاحبہ بنت حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب...... کے بطن سے ۹رمئی ۱۹۱۴ء کو قادیان میں پیدا ہوئے اور ۲۱رجون ۲۰۰۴ء کو ۹۰ سال کی عمر میں ربوہ میں وفات پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ نے ابتدائی دینی اور عربی تعلیم مدرسہ احمدیہ قادیان سے حاصل کی اور پھر پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل اور گریجویشن کرنے کے بعد تحریک جدید انجمن احمدیہ کی مختلف وکالتوں میں خدمت کی توفیق پائی، خاص طور پر وکیل التبشیر کی حیثیت سے آپ نے جماعت کے بیرونی مشنز کی توسیع اور استحکام کے لئے طویل عرصہ تک گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ اس سلسلہ میں آپ نے بیرونی ممالک کے کئی دورے بھی کئے۔ آپ کی یہ خدمات تاریخ احمدیت کا زرّیں باب ہے۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔ آپ وکیل اعلیٰ اور صدر مجلس تحریک جدید کے کلیدی مناصب پر بھی لمبا عرصہ فائز رہے۔ اپنے ان سارے فرائض کی ادائیگی میں آپ کو حضرت مصلح موعود...... کی رہنمائی اور دعائیں شامل حال رہیں۔ آپ فرقان بٹالین کے اعزازی کرنل کے عہدے پر فائز رہ کر آزادیٔ کشمیر کی تحریک سے بھی منسلک رہے۔ طویل عرصہ تک صدر مجلس انصاراللہ کے طور پر خدمات کی توفیق پائی۔ آپ کی شادی حضرت نواب عبداللہ خان صاحب کی صاحبزادی آمنہ طیبہ صاحبہ آف مالیرکوٹلہ سے ہوئی جنہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نواسی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ ان کی وفات ۲۷رمارچ ۱۹۹۶ء کو ہوئی تھی۔

آپ کے پسماندگان میں دو صاحبزادے مرزا مجیب احمد صاحب اور ڈاکٹر مرزا خالد تسلیم احمد صاحب نیز ایک صاحبزادی محترمہ امۃ الباقی عائشہ اہلیہ محترم ظفر نذیر احمد صاحب حال ٹورنٹو، کینیڈا ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو صبر عطا فرمائے اور محترم میاں صاحب کو رحمت و مغفرت کی چادر میں ڈھانپ لے اور جنت میں اعلیٰ علیین میں بلند مقام عطا فرمائے۔ آمین

ہم ہیں ممبران صدرانجمن احمدیہ پاکستان

حصہ دوم

دورۂ افریقہ

(مکرم عبدالحق بدر صاحب)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے 13/مارچ تا 14/اپریل 2004ء براعظم افریقہ کے چار ملکوں کا تاریخی دورہ فرمایا جن میں سے آخری دو ملکوں کے دورے کی چند مصروفیات قارئین خالد کے لئے پیش ھیں۔

بینن

□...... 4/اپریل 2004ء کو مقامی وقت کے مطابق رات 7:20 پر حضور ایدہ اللہ کا طیارہ بینن کے انٹرنیشنل کوٹونو Cotonou ائیر پورٹ پر اترا۔

VIP لاؤنج میں ملک کے نیشنل T.V، ریڈیو اور اخبارات کے بائیس نمائندے موجود تھے۔ پریس کے نمائندے کے سوال کے جواب میں حضور نے فرمایا کہ میں جماعت کے ممبران کو ملنے آیا ہوں اور یہ دیکھنے آیا ہوں کہ ہم اس ملک میں انسانیت کی خدمت کیسے کر رہے ہیں۔

صدر مملکت کی طرف سے حضور انور ایدہ اللہ کو سفر کے لئے ایک گاڑی مہیا کی گئی اس کے ساتھ پولیس کا مسلح اسکواڈ تھا۔ پھر حکومت نے ملٹری کا ایک خاص مسلح دستہ حضور انور کو مہیا کیا جو بینن کے سارے سفروں میں حضور انور کے ساتھ رہا۔

رات 9 بجے حضور انور مرکزی احمدیہ مشن ہاؤس پورٹونوو پہنچے۔ اس شہر کے چوراہوں پر حکومت نے اپنے قومی جھنڈوں کے ساتھ جماعت احمدیہ کے جھنڈے لگائے۔

□...... 5/اپریل 2004ء کو صبح 9 بجے حضور ایدہ اللہ نے ڈاک ملاحظہ فرمائی اور کلاوی (Calavi) جماعت کے لئے روانہ ہوئے اور 11:10 پر وہاں پہنچے اور لوگوں سے ملاقات کے بعد 1:30 پر پورٹونوو مشن ہاؤس پہنچے۔

شام کو پورٹونوو ریجن کی جماعتوں سے آئے ہوئے احباب جماعت سے ملاقات کی اور شام 5:20 پر حضور انور بیت احمدیہ پورٹونوو کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے تشریف لے گئے۔

اس سنگ بنیاد کی تقریب میں پورٹونوو کے بادشاہ King of Onikoyi اپنے گیارہ رکنی وفد کے ہمراہ شریک ہوئے۔

مشن ہاؤس پہنچنے کے بعد حضور نے مجلس نصرت جہاں کے تحت کام کرنے والے احباب سے ملاقات کی، ہسپتالوں کی کارکردگی کا جائزہ لیا اور مختلف امور کے متعلق ہدایات دیں۔

□...... 6/اپریل 2004ء کو صبح 7:55 پر دعا کے بعد حضور انور پورٹونوو سے الاڈا Allada کے لئے روانہ ہوئے۔ 9:40 پر حضور انور Allada پہنچے۔

کنگ آف الاڈا کے پیلس کے سامنے بچوں نے بینن کا قومی ترانہ گا کر حضور انور کا استقبال کیا۔ جبکہ بادشاہ نے اپنی ملکہ اور اپنے مصاحبوں کے ساتھ پیلس کے سامنے استقبال کیا۔ حضور انور نے کنگ آف الاڈا کو ملکہ سمیت جلسہ سالانہ لندن پر آنے کی دعوت دی۔

اس پروگرام کے آخر پر حضور انور کنگ کے پیلس میں تشریف لے گئے۔ جہاں کنگ کی حضرت خلیفۃ المسیح الرابع

رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تصویر لگی ہوئی تھی۔ حضور انور ایدہ اللہ کی تصویر بھی آویزاں تھی۔

اس کے بعد کنگ نے حضور انور کی خدمت میں اپنے باغ کے اناس کا جوس پیش کیا، جو حضور نے نوش فرمایا۔ بوتل میں باقی بچا ہوا جوس امیر صاحب بینن پینے ہی لگے تھے کہ ملکہ نے جلدی سے آ کر بوتل لے لی اور کہا کہ یہ برکتیں تو آج ہم نے لینی ہیں۔ میں اسے پیوں گی اور میری بیماریاں اس سے ٹھیک ہو جائیں گی۔

Allada سے 11:15 پر روانہ ہو کر پر Dassa پہنچے۔ وہاں کنگ آف ڈاسا نے اپنے ماتحت 41 گاؤں کے بادشاہوں، اماموں اور لوگوں کے ساتھ حضور انور ایدہ اللہ کو بڑے والہانہ انداز میں خوش آمدید کہا اور استقبال کیا۔

ڈاسا میں کچھ دیر قیام کے بعد حضور انور پاراکو پہنچے۔

شام کو ہمسایہ ملک Niger سے آئے ہوئے وفد نے حضور سے ملاقات کی۔ اس موقع پر نائیجر سے آنے والے ایک بزرگ نے حضور انور سے معانقہ کا شرف حاصل کیا۔ یہ نائیجر کے پہلے احمدی ہیں۔

شام 7:30 پر 4 مختلف صوبوں سے آئے ہوئے 6789 لوگوں سے حضور انور نے خطاب فرمایا۔

رات 9:15 پر حضور انور گورنر ہاؤس تشریف لے گئے جہاں جماعت نے عشائیہ کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ یہ تقریب رات گیارہ بجے دعا پر اختتام پذیر ہوئی۔

□...... 7 اپریل 2004ء کو صبح 9 بج کر 10 منٹ پر حضور انور نے سلائی سکول کا افتتاح فرمایا اور اس سلائی سکول میں مزید دس مشینیں رکھنے کی ہدایت فرمائی۔ اسی طرح ملک کے نارتھ North میں بھی دو سلائی سکول کھولنے کی ہدایت فرمائی اور ان میں دس دس مشینیں رکھنے کے لئے فرمایا۔

حضور انور نے پاراکو شہر میں تعمیر ہونے والی پہلی بیت الذکر "بیت العافیہ" کی تختی کی نقاب کشائی فرمائی اور دعا کروائی۔

9:35 پر حضور انور نے احمدیہ ہسپتال پاراکو کی پہلی اینٹ رکھی۔ بعد ازاں حضرت بیگم صاحبہ مدظلہا العالی نے اینٹ رکھی۔ پھر اسی طرح امیر صاحب بینن، ڈاکٹر تاثیر مجتبیٰ صاحب اور دوسرے عہدیداران نے باری باری اینٹ رکھنے کا شرف حاصل کیا اور آخر پر حضور انور نے دعا کروائی۔

ہسپتال کے سنگ بنیاد کے بعد ایک گاؤں 'سے میرے' (Semere) سے 313 افراد نے اپنے امام، بادشاہ اور یونین کونسل کے دو افسران کی معیت میں دستی بیعت کی۔ اس دستی بیعت میں اس موقع پر موجود ہزار ہا احمدی احباب بھی شامل ہوئے۔ اس کے بعد حضور انور Parakou سے روانہ ہو کر 12:40 پر توئی (Toui) پہنچے۔ اس جلسے میں بہت سے لوگ مخالفت کے باوجود حضور انور کے دیدار کے لئے پہنچے۔ جب حضور انور ایدہ اللہ جلسہ گاہ پہنچے تو 'ڈاسا' کے میئر، 'ویسے' ریجن کے میئر اور اس ریجن کے چیف آف پولیس اور 13 بادشاہوں اور 24 اماموں نے حضور انور کا استقبال کیا۔

جلسہ میں حضور انور نے خطاب فرمایا۔ اس خطاب کے بعد اجتماعی بیعت ہوئی۔ جس میں دس گاؤں کے 822 لوگوں نے حضور انور کے ہاتھ پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ اس موقع پر

موجود ہزاروں احمدی احباب نے بھی اس تقریب میں شمولیت کی۔ بیعت لینے کے بعد حضور انور نے دعا کروائی۔ یہاں سے روانگی سے قبل حضور انور نے اس علاقہ کے میئر، کنگ آف ڈاسا، Toui گاؤں کے بادشاہ اور آرمی کے ایک آفیسر کو اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ کی انگوٹھیاں پہنائیں۔

یہاں سے روانہ ہو کر حضور انور ڈاسا کے ایک ہوٹل میں تھوڑی دیر ٹھہرے اور شام 7:30 پر پورٹونوو پہنچے۔

□......8/اپریل 2004ء کو سوا گیارہ بجے حضور انور کی ایوان صدر میں صدر مملکت سے ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات کے آخر پر تصاویر لی جارہی تھیں تو حضور انور نے صدر مملکت سے استفسار فرمایا کہ کیا ہم آپ کی اس ملاقات کی تصویر MTA پر دکھا سکتے ہیں۔ اس پر صدر مملکت نے بڑے کھلے دل کے ساتھ کہا کہ بے شک جہاں چاہیں دکھائیں۔ آسمان پر دکھائیں۔

اس کے بعد حضور انور بیت التوحید Cotonou پہنچے بیت الذکر میں موجود تمام احباب کو شرف مصافحہ بخشا اور بچوں میں Chocolates تقسیم فرمائیں۔

اس کے بعد حضور انور نے بینن یونیورسٹی میں The Religion Of Peace کے عنوان پر خطاب فرمایا۔ خطاب کے بعد اس کا فرنچ ترجمہ مکرم حافظ احسان سکندر صاحب امیر جماعت بینن نے پیش کیا۔ آخر پر دعا ہوئی۔

6:15 پر حضور انور نے احمدیہ ہسپتال Cotonou کا معائنہ فرمایا اور معائنے کے بعد شام 7 بجے حضور نے ''ہیومینیٹی فرسٹ بینن'' بورڈ سے میٹنگ کی اور راہنمائی فرمائی۔ حضور انور نے کمپیوٹر سنٹر کے بارے میں ہدایات دیں کہ سارا جائزہ لیں اور رپورٹ بھجوائیں۔ اس میٹنگ کے بعد حضور انور Cotonou سے روانہ ہو کر پورٹونوو پہنچے۔

□......9/اپریل 2004ء کو بیت التوحید Cotonou میں حضور انور نے خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا۔ یہ خطبہ جمعہ ٹیلی فون لائن کے ذریعہ MTA پر براہ راست نشر کیا گیا۔

نماز جمعہ وعصر کی ادائیگی کے بعد حضور انور نے بیت الذکر کی دیوار پر لگی ہوئی تختی کی نقاب کشائی فرمائی اور دعا کروائی۔

شام کو حکومت بینن کی نیشنل اسمبلی کے صدر نے حضور سے ملاقات کی۔ اس کے بعد شام 6:15 پر حضور انور ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کے انسٹیٹیوٹ تشریف لے گئے۔

یہاں ڈائریکٹر اور وائس ڈائریکٹر نے حضور انور کا استقبال کیا۔ اس انسٹیٹیوٹ کا نام یہ ہے:-

Universeiti Abomy - Calavi
The Abdussalam International Centre for Theoretical & Physics (Italy) Institut De Mathematioues et De Sciences Physicuss.

حضور انور نے انسٹیٹیوٹ کے مختلف شعبوں کا دورہ فرمایا اور اس کے بعد مشن ہاؤس تشریف لے آئے اور مربیان کی فیمیلیز سے ملاقات کی۔

بعد ازاں حضور انور نے ہمسایہ ملک ٹوگو (Togo) سے آنے والے وفد سے ملاقات کی اور انہیں شرف مصافحہ بخشا۔

□......10/اپریل 2004ء کو 10 بجے حضور انور نے MTA سٹوڈیو بینن کا افتتاح فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ

MTA کے لئے ڈاکومنٹری فلم تیار کریں اور بھجوائیں۔ اس پروگرام میں بینن کا کلچر وغیرہ بھی دکھائیں۔

اس کے بعد حضور انور نے ''وقف نو کلاس'' لی اور ہدایت فرمائی کہ بچوں کو نماز باترجمہ سکھائیں۔ کلاس کے اختتام پر حضور نے بچوں میں Chocolates تقسیم فرمائیں۔

12:10 پر حضور نے نیشنل مجلس عاملہ اور مربیان سے میٹنگ کی۔

رات آٹھ بجے حضور انور نے نیشنل عاملہ مجلس انصاراللہ اور نیشنل عاملہ مجلس خدام الاحمدیہ کے ساتھ علیحدہ علیحدہ میٹنگ کی۔ تفصیلی ہدایات دیتے ہوئے فرمایا کہ دستور اساسی کے مطابق عہدے بنا کر کام کریں اور ہر ماہ اپنی رپورٹس مجھے بھجوائیں۔

اس کے بعد حضور عشائیہ میں شرکت کے لئے Marina Hotel میں تشریف لے گئے وہاں اہم سیاسی وسماجی شخصیات سے ملاقات فرمائی۔

رات گیارہ بجے حضور انور 'کوٹونو' سے 'پورٹونوو' کے لئے روانہ ہوئے۔ اور ساڑھے گیارہ بجے مشن ہاؤس پہنچے۔

□...... 11/اپریل 2004ء کو 9 بجے بینن، نائیجیریا، ٹوگو اور ساؤٹومے کے مربیان کے ساتھ حضور انور نے میٹنگ کی اور مشن ہاؤس کے احاطے میں ناریل کا پودا لگایا۔

سوا دس بجے احمدیہ مشن ہاؤس پورٹونوو بینن سے نائیجیریا کے لئے روانگی ہوئی۔

نائیجیریا

10:45 پر قافلہ بینن کے بارڈر پر پہنچا۔ بارڈر پر بڑا دلربا منظر پیش آیا۔ بارڈر کے ایک طرف بینن کے احباب جماعت جن میں مرد وخواتین اور بچے شامل تھے، حضور کو الوداع کہنے کے لئے موجود تھے جب کہ بارڈر کی دوسری طرف نائیجیریا جماعت کی ایک کثیر تعداد اپنے پیارے آقا کے استقبال کے لئے صبح سے ہی موجود تھی۔

بارڈر پر حضور انور کی آمد سے قبل ہی امیگریشن کے تمام انتظامات مکمل کر لئے گئے تھے۔ وہاں کے عملہ نے بھرپور تعاون کیا۔ بارڈر پر امیر ومشنری انچارج نائیجیریا، مربیان سلسلہ اور واقفین زندگی ڈاکٹرز، ٹیچرز اور نیشنل مجلس عاملہ کے ممبران نے حضور انور کا استقبال کیا۔

حضور انور نائیجیریا کے شہر 'الارو' کے لئے روانہ ہوئے۔ راستے میں تمام اہم جگہوں پر پولیس کے ساتھ خدام الاحمدیہ نے ٹریفک کنٹرول سنبھالا ہوا تھا۔

ساڑھے گیارہ بجے حضور انور Owode جماعت پہنچے۔ بیت الذکر کا افتتاح فرمایا اور دعا کروائی۔

تین بجے سہ پہر حضور انور نے الارو شہر کے Orete ایریا میں احمدیہ بیت الذکر کا افتتاح فرمایا اور دعا کروائی۔ آپ نے بیت الذکر کو دیکھ کر خوشنودی کا اظہار فرمایا اور بیت کے سامنے الطاہر سیکنڈری سکول کی بنیاد بھی حضور انور نے اپنے ہاتھ سے رکھی اور دعا کروائی۔

جلسہ سالانہ نائیجیریا

حضور انور 3:25 پر جلسہ گاہ تشریف لے گئے جہاں تیس ہزار کی تعداد میں احباب جماعت نے حضور انور کا والہانہ استقبال کیا۔

حضور انور نے لوائے احمدیت لہرایا جب کہ امیر صاحب نائیجیریا نے قومی جھنڈا لہرایا اس کے بعد حضور انور نے دعا کروائی۔ پھر حضور انور جامعہ احمدیہ کے باقاعدہ معائنہ کے

لئے تشریف لے گئے۔ حضور انور نے لائبریری، سٹاف روم، ڈائننگ روم وغیرہ کا معائنہ فرمایا اور ضروری ہدایات سے نوازا۔ حضور انور نے جامعہ احمدیہ کی ریمارکس بک پر لکھا۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جامعہ احمدیہ کے طلباء کو مخلص خادم بنائے۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم، تقویٰ اور سعادت مندی میں اضافہ فرمائے اور ان کو خلافت احمدیہ سے سچی محبت کرنے والا بنائے۔

اس کے بعد حضور نے حافظ کلاس کے ہوسٹل کی بنیاد اپنے دست مبارک سے رکھی اور دعا کروائی۔

اس کے بعد حضور انور قبرستان کے قطعہ موصیان میں بھی تشریف لے گئے اور مربی سلسلہ مکرم عبدالرشید اگبولہ صاحب مرحوم اور صدر لجنہ W.A.T.Kole کی قبروں پر دعا کی۔

اس کے بعد حضور انور جلسہ گاہ تشریف لے آئے اور جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی۔ حضور انور نے احباب جماعت سے خطاب فرمایا اور آخر پر دعا کروائی۔ یہ ایک روزہ جلسہ تھا۔ دراصل نائیجیریا کا جلسہ دو ماہ قبل ہو چکا تھا لیکن اب یہ لوگ صرف اور صرف اپنے پیارے امام کو دیکھنے آئے۔ اس اجلاس میں 30 ہزار سے زائد مرد و زن شامل ہوئے۔

اس کے بعد قافلہ کی روانگی جماعت کے نیشنل ہیڈ کوارٹر 'اوجوکورو' کے لئے ہوئی۔ پولیس کا اسکواڈ ہمراہ تھا۔

شام سات بجے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ جماعت کے نیشنل ہیڈ کوارٹر 'اوجوکورو' پہنچے۔ ''مسرور گیسٹ ہاؤس کمپلیکس'' کا افتتاح فرمایا اور دعا کروائی۔

□......12 اپریل 2004ء کو ساڑھے نو بجے حضور انور نے اوجوکورو ہسپتال کا معائنہ کیا اور خوشنودی کا اظہار فرمایا۔

ہسپتال کے معائنے کے بعد 9:45 پر احمدیہ بیت الذکر 'اوجوکورو' کا افتتاح فرمایا اور دعا کروائی۔ اس بیت الذکر میں ڈیڑھ ہزار سے زائد نمازیوں کی گنجائش ہے اور یہ بیت الذکر محترم الحاجی الحسن نائب امیر اور ان کے خاندان نے مل کر بنوائی ہے۔

نو بج کر پچاس منٹ پر مجلس عاملہ نائیجیریا کے ساتھ میٹنگ دعا کے ساتھ شروع ہوئی۔ اس کے بعد ساڑھے گیارہ بجے لجنہ اماء اللہ نائیجیریا کی مجلس عاملہ کی میٹنگ حضور انور کے ساتھ ہوئی۔ اس طرح 12:20 پر مجلس عاملہ انصار اللہ نائیجیریا کی میٹنگ ہوئی۔

□......13 اپریل 2004ء کو صبح دس بجے حضور انور نے ڈاک ملاحظہ فرمائی۔ 10:45 پر امیر صاحب اور نائب امراء جماعت نائیجیریا کے ساتھ میٹنگ ہوئی۔

12:25 پر مربیان نائیجیریا کی میٹنگ حضور انور ایدہ اللہ کے ساتھ ہوئی۔

ایک بج کر پچیس منٹ پر احمدیہ ہسپتال ایاپا کے نئے ونگ کا افتتاح فرمایا اور دعا کروائی اور بعد میں ہسپتال کا معائنہ فرمایا اور 3:05 پر 'ایاپا' سے 'اوجوکورو' روانگی ہوئی۔

'اوجوکورو' پہنچ کر حضور انور نے رقیم پریس کا معائنہ فرمایا۔ کمپیوٹر سیکشن، ڈارک روم مشینوں کی کارکردگی دیکھی اور ہدایات سے نوازا اور بعض کتب کے نمونے دیکھے جو اس پریس میں طبع ہوئیں تھیں۔

پانچ بجے نائیجیریا کے معلمین کی میٹنگ بیت احمدیہ 'اوجوکورو' میں حضور انور کے ساتھ ہوئی۔

5:25 پر احمدیہ بیت الذکر اوجوکورو میں مجلس عاملہ خدام الاحمدیہ نائیجیریا کی میٹنگ ہوئی۔ رات کو بیت الذکر کے احاطے

میں عشائیہ ہوا جس میں سیاسی وسماجی شخصیات شامل تھیں۔

مغرب وعشاء کی نمازوں کے بعد لندن واپسی کی تیاری شروع ہوئی۔ قافلہ پولیس، خدام کے اسکواڈ کے ہمراہ ایئر پورٹ لیگوس روانہ ہوا۔ لوگوں کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ قافلہ نو بج کر پچیس منٹ پر ائیر پورٹ پہنچا۔ امیگریشن کے انتظامات پہلے ہی مکمل ہو چکے تھے۔ حضور انور VIP لاؤنج میں تشریف لے گئے۔

حضور انور کا طیارہ رات 11:35 پر نائیجیریا کی سرزمین سے بلند ہوا اور 14/اپریل بروز بدھ کی صبح 5:25 پر لندن کے ہیتھرو ائیر پورٹ پر اترا۔ 6:30 پر حضور انور ائیر پورٹ سے باہر تشریف لائے۔ جہاں امیر صاحب یو۔کے کے ساتھ دیگر جماعتی عہدیداران نے حضور انور کو خوش آمدید کہا۔ اس کے بعد حضور انور ائیر پورٹ سے بیت الفضل لندن کے لئے روانہ ہوئے۔ بیت الفضل لندن کو جھنڈیوں اور پھولوں سے سجایا گیا تھا۔

صبح ساڑھے سات بجے حضور انور بیت الفضل لندن پہنچے جہاں پر موجود احباب جماعت کی ایک کثیر تعداد نے حضور انور کو خوش آمدید کہا۔ احباب جماعت صبح سے ہی بیت الفضل لندن میں جمع ہونے شروع ہو گئے تھے۔ حضور انور کی آمد پر بچوں اور بچیوں نے استقبالیہ نغمات پڑھے اور حضور انور کو خوش آمدید کہا۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے مغربی افریقہ کے اس پہلے سفر میں جن افراد کو حضور انور ایدہ اللہ کے قافلہ میں شمولیت کی سعادت حاصل ہوئی۔ ان کے اسماء حسب ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت سیدہ امۃ السبوح بیگم صاحبہ مدظلہا العالی
۲۔ مکرم منیر احمد جاوید صاحب پرائیویٹ سیکرٹری
۳۔ مکرم عبدالماجد طاہر صاحب ایڈیشنل وکیل التبشیر
۴۔ مکرم بشیر احمد صاحب دفتر پرائیویٹ سیکرٹری
۵۔ مکرم میجر محمود احمد صاحب (افسر حفاظت)
۶۔ مکرم ناصر سعید صاحب عملہ حفاظت
۷۔ مکرم سخاوت احمد باجوہ صاحب عملہ حفاظت
۸۔ مکرم منیر عودہ صاحب
۹۔ مکرم خالد کرامت صاحب
۱۰۔ مکرم عمر سفیر صاحب
۱۱۔ قافلہ کے دو ممبران ڈاکٹر تاثیر مجتبیٰ صاحب انچارج احمدیہ ہسپتال 'سوکورے' غانا اور ان کی اہلیہ محترمہ امۃ الرؤف صاحبہ (جو حضرت بیگم صاحبہ مدظلہا العالی کی چھوٹی ہمشیرہ ہیں) پروگرام کے مطابق غانا سے قافلہ میں شامل ہوئے اور بورکینا فاسو، بینن اور نائیجیریا کے دورہ میں آخر وقت تک قافلہ کے ساتھ رہے۔

غانا میں امیر صاحب غانا کے علاوہ K. Tahir Hammond ڈپٹی منسٹر فارانرجی غانا قافلے کے ساتھ رہے۔

(روزنامہ الفضل ۱۶/اپریل تا ۲۰ مئی ۲۰۰۴ء)

□□□□□□

اعتذار

ماہنامہ خالد ماہ جولائی 2004ء کے صفحہ نمبر 17 پر مضمون کے شروع میں سہواً 1/اپریل چھپ گیا ہے جبکہ درست 14/اپریل ہے۔ ادارہ اس غلطی پر نہایت معذرت خواہ ہے۔

درس حدیث

سورۃ فاتحہ

(مکرم میر محمود احمد ناصر صاحب)

عَنْ أَبِیْ سَعِیدِ بْنِ الْمُعَلّٰی قَالَ: کُنْتُ أُصَلِّی فِی الْمَسْجِدِ فَدَعَانِی رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ فَلَمْ أُجِبْہُ، فَقُلْتُ: یَارَسُولَ اللّٰہِ، اِنِّی کُنْتُ أُصَلِّی فَقَالَ: أَلَمْ یَقُلِ اللّٰہُ: ﴿اسْتَجِیبُوا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُولِ اِذَا دَعَاکُمْ﴾ (الأنفال: ۲۴) ثُمَّ قَالَ لِی: لَأُعَلِّمَنَّکَ سُورَۃً ہِیَ أَعْظَمُ السُّوَرِ فِی الْقُرْآنِ قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ، ثُمَّ أَخَذَ بِیَدِی فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ یَخْرُجَ قُلْتُ لَہُ: أَلَمْ تَقُلْ: لَأُعَلِّمَنَّکَ سُورَۃً ہِیَ أَعْظَمُ سُورَۃٍ فِی الْقُرْآنِ قَالَ: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِینَ﴾ ہِیَ السَّبْعُ الْمَثَانِی وَالْقُرْآنُ الْعَظِیمُ الَّذِی أُوتِیتُہُ.

(بخاری کتاب التفسیر باب ماجاء فی فاتحۃ الکتاب)

لاکھوں کروڑوں کتابیں جو چھپتی ہیں ان کو ایک فرد دیکھ نہیں سکتا۔ پڑھنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے پبلشرز اور کتب چھاپنے والی کمپنیوں نے یہ طریق اختیار کیا ہوا ہے کہ وہ کتاب کا جوڈسٹ کور (Cover) یا گرد پوش، جس میں وہ کتاب لپٹی ہوئی ہے، اس پر باہر یا اندر اس کتاب کا کچھ تعارف لکھ دیتے ہیں۔ جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ کتاب کس موضوع پر ہے۔ پکڑنے والے کو اگر اس کتاب سے دلچسپی ہے تو وہ لے لیتا ہے ورنہ چھوڑ دیتا ہے۔ لیکن عام طور پر جو باہر لکھا ہوا ہوتا ہے وہ تجارتی نقطۂ نظر سے لکھا ہوا ہوتا ہے۔ حقیقت اس کے اندر کم ہی ہوتی ہے۔ لیکن قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا حکیمانہ اور لطیف طریق اختیار کیا ہے کہ اس پر میں جتنا بھی غور کرتا ہوں ایک ایسا معجزہ لگتا ہے، دل کی ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ اتنے وسیع مضامین پر قرآن مشتمل ہے۔ ان سارے مضامین کا خلاصہ سات سطروں میں نکال کر رکھ دیا ہے اور شروع میں رکھ دیا ہے تاکہ پڑھنے والے کو شروع سے ہی پتہ چل جائے کہ کیا مضامین آنے والے ہیں۔ ویدوں کو پڑھیں، بائبل کو پڑھیں کئی سو صفحے بعد جاکر پتہ چلتا ہے کہ اب یہ مضمون آنا ہے۔ لیکن قرآن شریف کے سارے مضامین شروع کے صفحہ پر سات سطروں میں لکھے ہوئے آپ کو مل جاتے ہیں اور اسی بات کی طرف آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں اشارہ ہے۔ جو آج ہم نے پڑھی ہے۔

پہلے تو امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ سُمِّیَتْ اُمُّ الْکِتَابِ. یعنی سورۃ فاتحہ کو ام الکتاب بھی کہتے ہیں یعنی تمام کتابوں کی ماں ہے۔ کیونکہ اسے شروع میں لکھا جاتا ہے۔ لیکن اصل مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کے تمام مطالب یہ اپنے اندر سمیٹے ہوئے

ہے۔ ام الکتاب بھی کہتے ہیں ام القرآن بھی کہتے ہیں۔ اس میں ایک بڑی لطیف حدیث حضرت ابوسعید بن معلٰی کی ہے۔ (بڑے خوش قسمت بھی تھے) وہ کہتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آواز دی۔ میں نے جواب نہ دیا کیونکہ میں تو نماز پڑھ رہا تھا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے آواز دے رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بعد میں جب نماز سے فارغ ہو کر گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میں نے تمہیں آواز دی تھی تم آئے نہیں۔ قُلْتُ: یَارَسُولَ اللّٰہِ، اِنِّی کُنْتُ اُصَلِّی۔ میں نے عذر پیش کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں تو نماز پڑھ رہا تھا۔ میں کس طرح آتا۔ اب دیکھیں اس سے صحیح قدر معلوم ہوئی ہے۔ فَقَالَ: اَلَمْ یَقُلِ اللّٰہُ: اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے قرآن شریف میں یہ نہیں پڑھا کہ جب اللہ اور اس کا رسول تمہیں آواز دیں تو فوراً لبیک کہتے ہوئے پہنچو۔ نماز چھوڑ دینی چاہیے تھی تمہیں۔ اذا دعاکم۔ جب وہ تمہیں بلائیں۔ پھر حضور نے ان کا ہاتھ پکڑا (بڑے خوش قسمت تھے) پھر ان کو فرمایا۔ میں تمہیں مسجد سے نکلنے سے پہلے قرآن شریف کی سب سے بڑی سورۃ سکھاؤں گا۔ اب ان کے ذہن میں آیا بہت لمبی، بہت غیر معمولی اور بہت بڑی سورۃ ہوگی۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بڑی سورۃ ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور مسجد سے نکلنے لگے۔ میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے تو فرمایا تھا میں تمہیں سب سے بڑی سورۃ سکھاؤں گا اور اب آپ باہر تشریف لے جا رہے ہیں۔ فرمایا: قرآن کریم کی سب سے بڑی سورۃ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ہے۔ قرآن شریف کے تمام تفصیلی مضامین اختصار کے ساتھ سورۃ فاتحہ میں موجود ہیں۔ ہم پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ ہمیں تفصیل کے ساتھ قرآن پڑھنے کا وقت نہ بھی ملے۔ اگر قرآن شریف کی ان سات آیات پر غور کریں تو سارے مضامین ان میں ملتے ہیں اور معجزہ لگتا ہے اور حیرت ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں جو آیا ہے کہ تمہیں سات آیات جو دی گئیں جو بار بار دہرائی جاتی ہیں ان سے یہی الحمد للہ مراد ہے۔

اس زمانہ میں ہمارے مہدی علیہ السلام نے ہمیں اس سورۃ کی جو تفسیر سکھائی ہے وہ انتہائی غیر معمولی ہے۔ وہ تو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے اس کو تو یہاں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن میں جتنا بھی غور کرتا ہوں حیرت میں ڈوبتا چلا جاتا ہوں۔ مثلاً پہلا مضمون ہے قرآن کریم کا اللہ تعالیٰ کی صفات کا، 104 صفات قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی بیان ہیں لیکن سورۃ فاتحہ میں جو چار صفات بیان ہیں وہ سو صفات کو Cover کرتی ہیں۔ ان کے ماخذ کے طور پر، ان کے Source کے طور پر ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باقی صفات ایک چشمے کی طرح بہ رہی ہیں اور چشمے کا منبع یہ چار صفات ہیں۔

دوسرا مضمون قرآن کریم کا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد انسان کا اور اللہ تعالیٰ کا کیا تعلق ہے اور وہ تعلق ہے عبادت کا۔ دوسرا مضمون اس میں ایاک نعبد میں ذکر کر دیا گیا ہے۔ عبادت کی جملہ تفصیل پھر آگے قرآن شریف میں مذکور ہے۔ شکر بھی عبادت میں داخل ہے۔ اللہ کی صفات اپنے اندر پیدا کرنا بھی عبادت میں داخل ہے۔ خدا کا خوف بھی عبادت میں داخل ہے

اور خدا کی محبت بھی عبادت میں داخل ہے۔ خدا تعالیٰ کا احترام بھی عبادت میں داخل ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی ایک عربی تحریر میں فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ کے بندوں کی ہمدردی بھی عبادت میں داخل ہے۔ یعنی جو مضمون تفصیل کے ساتھ قرآن کریم میں ہے وہ اختصار کے ساتھ سورۃ فاتحہ میں ہے۔

تیسرا مضمون جو قرآن میں ہے اور بڑی تفصیل کے ساتھ ہے وہ یہ ہے کہ تمام سہارے اسباب کے جو تم ڈھونڈتے ہو اپنے نفس کے، اپنے دوستوں کے، یہ سب جھوٹے سہارے ہیں۔ سوائے خدا کی ذات کے کوئی حقیقی سہارا نہیں ہے۔ یہ مضمون قرآن کریم میں بار بار آتا ہے۔ اور ایاک نستعین کے الفاظ میں بڑی وضاحت کے ساتھ اختصاراً بیان کر دیا گیا ہے۔ لیکن اس تعلق کا ذریعہ کیا ہے۔ کس طرح یہ تعلق عبادت کا اور استعانت کا حاصل ہو سکتا ہے۔ بڑی Natural ترتیب ہے قرآن کریم کی اور یہ مضمون بڑی تفصیل کے ساتھ بیان ہے کہ خدا کا بندے کے ساتھ اور بندے کا خدا کے ساتھ کس طرح تعلق ہوتا ہے۔ نماز ہے، حج ہے، روزہ ہے۔ تمام تفاصیل موجود ہیں۔ ان سب کے اوپر جو چیز ہے وہ دعا ہے۔ بندے کا خدا سے تعلق دعا کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ ایاک نستعین کے معاً بعد فرمایا اھدنا الصراط المستقیم۔ اگر ذریعہ ڈھونڈتے ہو تو وہ ذریعہ دعا ہے۔ اور دعاؤں میں سے یہ دعا بہترین دعا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اشارہ کر دیا کہ تم مانگو گے خدا سے، خدا سے تعلق تو قائم کرنا چاہو گے۔ اس سے سیدھا راستہ مانگتے ہو تو یاد رکھو کہ یہ کام اکیلے نہیں ہوگا اور اگر تم نے یہ کہنا شروع کر دیا اھدنی الصراط المستقیم کہ مجھے سیدھا راستہ دکھا تو سیدھا راستہ نہیں ملے گا جب تک ساری انسانیت کی ہمدردی تمہارے اندر نہ ہو۔ اس لئے فرمایا اھدنا الصراط المستقیم۔

اس طرح مضامین سورۃ فاتحہ میں بیان ہیں کہ انسانیت کو ایک یونٹ Unit قرار دیا۔ صرف اپنے لئے اگر دعا کرنی ہے تو وہ دعا قبول نہ ہوگی جب تک کہ تم ساری انسانیت کے لئے دعا نہ کرو۔

ہدایت کے لئے ہم اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہیں کہ ہمیں ہدایت مل جائے لیکن ہدایت ہوتی کیا ہے؟ ہر کام میں انسان دنیا میں ماڈل تلاش کرتا ہے۔ خوبصورتی کا ماڈل ڈھونڈتا ہے۔ حسن کا ماڈل ڈھونڈتا ہے۔ فرمایا ہاں ٹھیک ہے تمہاری بات۔ ضرورت ہے انسان کو ماڈل کی۔ اور وہ اسوۂ حسنہ کس کا ہونا چاہیے۔ صراط الذین انعمت علیھم چار وجود ایسے کہ ان کی تفصیل قرآن کریم میں ہے۔ اگر ہدایت کو پانا ہے تو ان چار کی نقل کرو، ان کی اتباع کرو۔ وہ رسول اور نبی ہیں، صدیق ہیں، شہید ہیں، صالح ہیں ان کی نقل کرو۔ جب تک تم نقل نہیں کرو گے تمہیں یقین نہیں آئے گا کہ جس رستے پر میں چل رہا ہوں وہ راستہ ٹھیک بھی ہے یا نہیں۔ ایک آدمی ایک سڑک پر اکیلا جا رہا ہو تو پتہ نہیں سڑک کدھر کو جاتی ہے۔ لیکن اگر دائیں بھی اور بائیں بھی، پیچھے بھی، آگے بھی لوگ موجود ہوں تو آپ رستے کے متعلق معلوم کر سکتے ہیں کہ آپ کس رستے پر جا رہے ہیں۔ پھر قرآن شریف کا ایک مضمون فتنوں پر مشتمل ہے۔ تفصیل کے ساتھ قرآن شریف میں فتنوں کا ذکر ہے سورۃ فاتحہ میں انسانیت کی تاریخ کا سب

سے بڑا فتنہ جو ہونے والا تھا۔ مغضوب علیھم کا و الضالین کا، یہود کا اور نصاریٰ کا۔ بہت بڑے بڑے فتنے گزرے ہیں دنیا میں۔ سورۃ فاتحہ کا چونکہ قرآن شریف کے بنیادی مضامین سے متعلق ہے اس لئے اس میں اس فتنے کا ذکر ہے جو آج ہمیں ساری دنیا میں پھیلا ہوا نظر آتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس سے بڑا لطیف استنباط کیا ہے۔ قرآن کریم میں یہ مضمون بھی ہے کہ اچھے کارکن کس طرح ملتے ہیں۔ کیا صفات ہیں جو اچھے کارکن میں ہونی چاہئیں تو حضور علیہ السلام نے بڑی تفصیل کے ساتھ اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ قرآن شریف میں یہ مضمون اس طرح آتا ہے کہ اچھے کارکن میں علم ہونا چاہیے اگر علم موجود نہیں تو خواہ وہ کتنی ہی محنت کرے جان ماری کرے کام ٹھیک نہیں ہوگا۔ اگر علم ہو مگر دیانت نہ ہو، وہ بددیانت ہو، وہ کارکن ٹھیک نہیں ہوگا۔ علم بھی ہو، دیانت بھی ہو مگر محنت نہ ہو۔ اگر علم موجود نہیں تو خواہ وہ کتنی ہی محنت کرے جان ماری کرے کام ٹھیک نہیں ہوگا۔ کسالا ہوگا، کام ٹھیک نہیں ہوگا۔ جو مضمون قرآن کریم میں تفصیل کے ساتھ آتا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ آؤ تمہیں میں دکھاؤں کہ وہ مضمون سورۃ فاتحہ میں یہاں مذکور ہے۔

ایک مضمون سورۃ فاتحہ میں ترغیب اور ترھیب کا ہے۔ لوگوں کو قائل کرنا اور لوگوں کو انذار کرنا۔ ہم چونکہ استاد ہیں اس لئے ہمیں پتہ ہے کہ لوگوں کو قائل کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ کسی کو یہ بات سمجھا دینا کہ فلاں کام تمہارے فائدے کے لئے ہے اور یہ نہ کرو یہ تمہارے لئے مضر ہے۔ ہر مقرر، ہر مصنف، ہر واعظ جانتا ہے کہ یہ کتنا مشکل کام ہے۔

قرآن کریم میں یہ مضمون بار بار آتا ہے۔ لرز جاتا ہے بعض دفعہ انسان ترھیب پڑھ کر اور ایسی ترغیب پیدا ہوتی ہے قرآن کریم کی نصیحتیں پڑھ کر۔ سورۃ فاتحہ میں یہ مضمون کس طرح ہے۔ ترغیب اور ترھیب کے لئے تین چیزوں کی ضرورت ہے۔

۱۔ آپ جس چیز کا ذکر کر رہے ہیں کہ یہ اختیار کرو اس میں کیا خوبی ہے؟

۲۔ جو چیز آپ کہہ رہے ہیں کہ یہ مفید ہے اس کا کیا فیضان دوسروں پر پڑتا ہے۔ جنہوں نے اسے اختیار کیا۔ ان کو کیا فائدہ پہنچتا ہے؟

۳۔ جنہوں نے اسے اختیار نہیں کیا انہیں کیا نقصان پہنچا؟

قرآن کریم نے تینوں کا ذکر کیا ہے اور سورۃ فاتحہ میں اشارۃً موجود ہیں۔ اھدنا الصراط المستقیم۔ خوبی کیا ہے راستے کی؟ فائدہ کیا ہے؟ انعمت علیھم۔ نقصان کیا ہے جنہوں نے اسے اختیار نہیں کیا۔ مغضوب علیھم و الضالین۔ ترغیب اور ترھیب کے تین ہی طریق ہیں اور قرآن میں بڑی تفصیل کے ساتھ اور سورۃ فاتحہ میں اشارۃً موجود ہیں۔

اب میرے لئے ایک مشکل پیدا ہوئی۔ ڈاکٹر عبدالسلام صاحب فرمایا کرتے تھے کہ قرآن شریف کا آٹھواں حصہ سائنس پر مشتمل ہے۔

میں تو سائنس کا طالب علم نہیں۔ پھر غور کیا کہ اگر قرآن کا آٹھواں حصہ سائنس پر مشتمل ہے تو لازماً سورۃ فاتحہ میں ذکر ہوگا۔

میں تو سائنس کا Student نہیں ہوں۔ یہاں جو موجود ہیں ان کو چاہیے کہ اس طرف توجہ کریں۔ مجھے تین اصول، بنیادی اصل الاصول سائنس کے سورۃ فاتحہ میں نظر آتے ہیں۔

ایک اصول تو یہ ہے کہ کائنات وحدت خَلقی ہے۔ Organic Whole ہے۔ اب اگر یہ کائنات Organic Whole نہیں ہے ٹائم کے لحاظ سے بھی اور Space کے لحاظ سے بھی، تو سائنس کے سارے کلیے ختم ہو جاتے ہیں۔ کیا پتہ کہ Mars کے اوپر مریخ کے اوپر جا کر، یہی اگر فیکٹر ہوں، تو جو یہاں نتیجہ نکل رہا ہے وہاں نہیں نکلے گا۔ قرآن شریف فرماتا ہے کہ نہیں۔ کائنات ایک وحدت خَلقی ہے۔ ہزار سال پہلے بھی انسان نے جو تجربہ کیا اور جواب کرے گا اگر عناصر وہی ہیں تو نتیجہ وہی نکلے گا۔ رب العالمین کائنات مجموعہ ہے ایک رب کا، قانون اسکے اوپر چل رہا ہے۔

دوسرا میں نے جو غور کیا کہ سائنس کا کونسا بنیادی اصول موجود ہے تو وہ میں نے دیکھا کہ Cause and effect کا قانون ہے۔ اگر ایک سبب موجود ہے تو لازماً اس کا مسبب نکلے گا۔ اور اگر ایک مسبب موجود ہے تو لازماً اس کا سبب ہونا چاہیے۔ یہ قانون بڑی لطافت کے ساتھ سورۃ فاتحہ میں بیان ہے۔ یہ جو دعا مانگی گئی ہے۔ اھدنا الصراط المستقیم۔ دعا تو مانگنی چاہیے کہ میں منزل پر پہنچ جاؤں۔ دعا مانگی جارہی ہے راستے کی، منزل کی نہیں۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ دعا مانگی جارہی ہے کہ مجھے لاہور کا رستہ دکھا دے۔ یہ دعا کیوں نہیں مانگی جارہی کہ مجھے لاہور پہنچا دے۔ کیونکہ اگر لاہور کا راستہ معلوم ہو گیا ہے تو لازماً اس کا نتیجہ نکلنا ہے کہ لاہور پہنچنا ہے۔ کیونکہ سائنس کہتی ہے کہ اگر سبب موجود ہے مسبب موجود ہوگا اور اگر مسبب موجود ہے تو سبب ضرور پیدا ہوگا۔ اگر cause ہے تو effect ضرور ہوگا اور اگر effect ہے تو cause ضرور ہوگا۔ قرآن کریم نے اشارۃً یہ بنیادی اصول بھی پیش کیا ہے۔

تیسرا اصول جو میں نے غور کیا ہے وہ Evolutionary Process کا ہے۔ ارتقائی مراحل میں سے یہ کائنات ساری گزر رہی ہے۔ یہ مادیات کی ہو، روحانیت کی ہو، ان دونوں کے درمیان برزخ کی ہو۔ سب میں Evolution کا اصول کام کر رہا ہے۔ سورۃ فاتحہ میں اشارہ ہے رب العالمین وہ جو ترقی دیتا ہے۔ سٹیج کے بعد دوسری سٹیج تک۔ لیکن جو باتین میں نے کہی ہیں یہ تو کسی کام کی نہیں ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ براہین احمدیہ میں جو تجزیہ حضور علیہ السلام نے پیش فرمایا ہے کہ قرآن شریف کے دس مضامین ہیں اور وہ سورۃ فاتحہ میں اس طرح موجود ہیں۔ ان کو سٹڈی کرنا چاہیے۔

ایک مختصر سے اقتباس کا حصہ میں پڑھ دیتا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

خداوند کریم نے سورۃ فاتحہ میں تمام قرآن شریف کی طرح روحانی مرضوں کی شفاء رکھی ہے اور باطنی بیماریوں کا اس میں وہ علاج ہے جو اس کے غیر میں ہرگز نہیں پایا جاتا۔

(یہ درس مؤرخہ 13-2-04 کو ایم ٹی اے سے نشر ہوا جس کو مکرم طارق حیات صاحب نے ٹرانسکرائب کیا)

✡✡✡✡✡✡

ماشاء اللہ
احمدیہ فرنیچر ہاؤس
رحمت بازار۔ منڈی ربوہ
عمدہ اور دیدہ زیب اور پائیدار فرنیچر کے لئے
پروپرائٹر: عطاء القیوم بھٹہ فون: 212944

BHAI BHAI GOLD SMITH
پروپرائٹر
بھائی بھائی گولڈ سمتھ
عبدالمومن زرگر
اقصیٰ روڈ سراج مارکیٹ ربوہ
فون دکان 04524-211158 گھر 04524-214454 موبائل 0303-6743122

خوشخبری
CSS میں اعلیٰ کامیابی حاصل کریں مگر کیسے؟؟؟؟
کمزوری یاداشت کیلئے ایک انوکھی حیرت انگیز جادو اثر دوا
برین ٹانک
قیمت -/100
یاداشت کو بڑھاتا ہے
نظر کی کمزوری کو دور کرتا ہے
نسیان (بھول جانا) کو دور کرتا ہے
بھوک بڑھاتا ہے۔ ہاضمہ کی خرابی کو دور کرتا ہے
قبل از وقت بالوں کو سفید ہونے سے روکتا ہے
ہر وقت کے نزلہ زکام سے پیچھا چھڑاتا ہے
اگر ان سب باتوں میں سے کوئی بات آپ کے اندر موجود ہے تو آپکو فوری ضرورت ہے برین ٹانک کی
آئیے! آج سے ہی برین ٹانک کھائیے فوری یاداشت بڑھائیے۔ نزلہ زکام سے پیچھا چھڑائیے۔
CSS افسر بن جائیے۔ برین ٹانک آزمائیے اور ہمیشہ کیلئے برین ٹانک کے گرویدہ ہو جائیے۔ برین ٹانک کے گن گائیے ....
JAN جان
تیار کردہ: جان یونانی دواخانہ گولبازار چناب نگر ربوہ
Tele: 04524-213149, Res:211485

حضرت مولوی محمد صادق صاحب

(مکرم غلام مصباح بلوچ صاحب۔نوکوٹ سندھ)

اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو نہ صرف حضرت حکیم مولانا نورالدین صاحب بھیروی جیسا عظیم گوہر عطا فرمایا بلکہ آپ کے ذریعہ مخلصین کی ایک کثیر تعداد کو بھی شامل احمدیت ہونے کی توفیق بخشی۔اس کثیر تعداد میں ایک نام حضرت مولوی محمد صادق صاحب کا بھی ہے۔

حضرت مولوی محمد صادق صاحب ولد مولوی محمد عبداللہ صاحب موضع سرگال تحصیل شکر گڑھ ضلع گورداسپور کے رہنے والے تھے۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور سے مولوی فاضل اور منشی فاضل کا امتحان پاس کیا اور ۱۸۹۰ء میں حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاوّل جو ان دنوں ریاست جموں وکشمیر کے شاہی طبیب تھے، کی سفارش سے ریاست جموں کے ہائی سکول میں مدرس مقرر ہوئے۔آپ وہاں فارسی پڑھاتے تھے۔حضرت مفتی محمد صادق صاحب مشہور رفیق حضرت مسیح موعود علیہ السلام (وفات ۱۳ فروری ۱۹۵۷ء) بھی ان دنوں اسی سکول میں مدرس تھے۔ جموں میں ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب ''فتح اسلام'' پہنچی جو آپ نے اور حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے مل کر پڑھی جس کے بعد حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے ۳۱ رجنوری ۱۸۹۱ء کو قادیان جا کر بیعت کر لی۔ اگلے سال حضرت مفتی محمد صادق صاحب پھر قادیان آئے۔اس مرتبہ حضرت مولوی محمد صادق صاحب اور حضرت خان بہادر غلام محمد خان صاحب گلگتی (وفات ۲۶ رجون ۱۹۵۶ء مدفون بہشتی مقبرہ ربوہ) بھی آپ کے ہمراہ آئے اور بیعت کی توفیق پائی۔آپ کی بیعت کی تاریخ ۲۰ رجنوری ۱۸۹۲ء ہے۔آپ کی بیعت کا اندراج رجسٹر بیعت اولیٰ میں ہے۔

حضرت خان بہادر غلام محمد صاحب گلگتی فرماتے ہیں:-

''ایک روز عصر کے وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بمع حضرت مولوی نورالدین صاحب اور چند دیگر خدام کے گول کمرہ سے باہر میدان میں چارپائیوں پر بیٹھے ہوئے تھے دو غیر احمدی مولوی صاحبان بھی کسی جگہ سے آ گئے ......اور کچھ گفتگو شروع ہوگئی......اثنائے گفتگو میں ایک عربی لفظ کے معانی کے متعلق جھگڑا ہو گیا معترض مولوی صاحبان کچھ اور معنی کرتے تھے حضرت مولوی نورالدین صاحب نے مولوی محمد صادق صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا آپ مولوی فاضل ہیں ان کو اس لفظ کے معنی بتائیں۔مولوی محمد صادق صاحب نے پتلون اور بوٹ پہنا ہوا تھا۔معترض مولوی صاحبان نے کہا کہ انہوں نے پتلون اور بوٹ پہنا ہوا ہے ان کی بات پر ہمیں کوئی اعتبار نہیں۔''

(رجسٹر روایات نمبر ۸ صفحہ ۱۱۳)

ابھی آپ لوگ بیعت کے بعد قادیان میں ہی قیام پذیر تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جنوری ۱۸۹۲ء ہی میں لاہور کا سفر اختیار فرمایا۔ چنانچہ آپ بھی حضور علیہ السلام کے ساتھ ہی قادیان سے لاہور آ گئے اور حضور کی ہمرکابی کا شرف پایا چونکہ آپ کو اور حضرت مفتی محمد صادق صاحب کو ملازمت پر جلد واپس جانا تھا۔ اس واسطے ایک دو دن وہاں ٹھہر کر واپس جموں چلے گئے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی بعض تحریرات میں آپ کا ذکر بھی محفوظ ہے۔ گورنمنٹ کے نام اپنے دو اشتہاروں میں حضور علیہ السلام نے اپنی جماعت کے اسماء بطور نمونہ پیش کئے ہیں۔ آپ کا نام ''آریہ دھرم'' و ''کتاب البریہ'' دونوں کی اسماء کی فہرستوں میں درج ہے۔ جون ۱۸۹۷ء میں ملکہ وکٹوریہ کی ساٹھ سالہ جوبلی منائی گئی۔ اس سلسلے میں قادیان میں بھی ایک جلسہ منعقد ہوا جس کی کارروائی ''جلسہ احباب'' کے نام سے شائع ہوئی۔ اس جلسہ میں ملکہ کے قبول (دین حق) کے لئے بھی دعا کی گئی۔ جلسہ ڈائمنڈ جوبلی بمقام قادیان ۲۰/جون ۱۸۹۷ء تا ۲۲/جون ۱۸۹۷ء کے عنوان کے تحت شاملین جلسہ میں آپ کا نام بھی درج ہے۔

۹۳۔ مولوی محمد صادق صاحب مدرس ریاست جموں

(جلسہ احباب، روحانی خزائن جلد نمبر ۱۲ صفحہ ۳۰۴)

کتاب ''سراج منیر'' میں حضور نے ''فہرست آمدنی چندہ برائے طیاری مہمان خانہ و چاہ وغیرہ'' عنوان کے تحت چندہ دینے والوں کے نام لکھے ہیں۔ مولوی محمد صادق جموں ۴؍۔

(روحانی خزائن جلد ۱۲ صفحہ ۸۶)

آپ حضرت مفتی محمد صادق صاحب کے قریبی دوستوں اور حضرت خان بہادر غلام محمد خان صاحب گلگتی کے اساتذہ میں سے تھے۔ اخبار الحکم کی اشاعت کو وسیع کرنے کی تحریک ہوئی تو حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے آپ کے نام اخبار لگوا دیا۔

ایک ہی سکول میں مدرس ہونے کے سبب آپ دونوں نے چند سال اکٹھے گذارے اور اس پر خوش قسمتی یہ کہ حضرت مولوی نورالدین صاحب کی پاکیزہ صحبت بھی آپ کو جموں میں میسر تھی۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب جموں میں ملازمت کے دور کی ایک روایت بیان کرتے ہیں:-

''جب کتاب ازالۂ اوہام شائع ہوئی اُس وقت حضرت مولوی نورالدین صاحب ریاست جموں میں ملازم تھے اور عاجز راقم بھی وہیں پر ملازم تھا۔ ازالۂ اوہام میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے مریدین کے نام بھی لکھے تھے اور اس میں میرا نام بھی نمبر ۶۶ پر تھا۔ تب حضرت مولوی صاحب نے جو ہمیں ہر رنگ میں ترقی کرنے کی تحریص دلایا کرتے تھے مجھے مخاطب کر کے یہ فرمایا کہ مفتی صاحب آپ کا نام تو اتنے نمبر ۶۶ پر ہے۔ کیا اتنے نمبر پر بھی کوئی پاس ہو سکتا ہے؟ تب میرے عزیز دوست مولوی فاضل محمد صادق صاحب مرحوم نے عرض کی فیل ہونے والوں کے تو نام نہیں شائع ہوئے۔ صرف پاس ہونے والوں کے نام شائع ہوا

کرتے ہیں جس پر حضرت مولوی صاحب تبسم کر کے خاموش ہو رہے"۔

(ذکر حبیب صفحہ ۳۰۔ از حضرت مفتی محمد صادق صاحب)

مارچ ۱۹۱۰ء کو حضرت مولوی محمد صادق صاحب نے جموں میں وفات پائی۔ آپ کی وفات پر حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے لکھا:۔

"ہمارے ایک پرانے دوست جناب مولوی محمد صادق صاحب پروفیسر پرنس آف ویلز کالج جموں قریباً 45 سال کی عمر میں جموں میں ہی وفات پا گئے۔ مرحوم پنجاب یونیورسٹی کے مولوی فاضل و منشی فاضل تھے اور ۱۸۹۰ء میں بسفارش حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح والمہدی جوان دنوں میں ریاست جموں و کشمیر کے طبیب خاندان شاہی تھے۔ انہیں دنوں میں ملازم ہوئے تھے جن دنوں میں کہ یہ عاجز بھی وہاں کے مدرسہ میں نیا ملازم ہوا تھا۔ ان تعلقات کے سبب جموں میں کئی سال وہ اور میں اکٹھے رہے...... اس واسطے مرحوم کے ساتھ تعلقات محبت دن بدن ترقی کرتے گئے۔ آپ سلسلہ احمدیہ میں ایک فاضل مولوی تھے اور اپنی وسعت کے مطابق خدمات دینی میں حصہ لیتے تھے آپ کے ضعیف باپ اور چھوٹے بچوں کے واسطے یہ صدمہ بہت سخت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں صبر جمیل عطا فرمائے"۔

(البدر ۳۱ مارچ ۱۹۱۰ء صفحہ ۵ کالم ۲)

****

ملک پاکستان ہے تو دِل بھی پاکستان

(مکرم روشن دین تنویر صاحب)

قوتِ بازوئے ہمّت قوت ایمان ہو
ملک پاکستان ہے تو دِل بھی پاکستان

راستہ دشوار، نو آموز تُو، کیا خوف جب
راہ بر تیرا محمدؐ۔ رہ نما فرقان ہو

ہاتھ دے دے تو ذرا اپنا خدا کے ہاتھ میں
پھر چلا چل بے خطر آندھی ہو یا طوفاں ہو

مال و دولت ہیچ ہے اور جان بھی ناچیز ہے
اُس کی خاطر سب لُٹا دے مال ہو یا جان ہو

ہو ممالک میں تجھے ممتاز اک حاصل مقام
مجلس اقوام میں تیری نرالی شان ہو

مشرق و مغرب میں ہو انسانیت بیدار پھر
کوئی احمر ہو نہ اسود ہو فقط انسان ہو

بحر و بر میں، کوہ صحرا میں، امصار میں
تیری سانسوں سے پریشاں حسن اور احسان ہو

عصمت وعفت کی حوریں ہوں ترے گھر میں مکیں
جنت الفردوس کا رضواں ترا دربان ہو

تھرتھراتی ہوں نظر میں لَااِلٰہ کی بجلیاں
اہل پاکستان کی تنویرؔ یہ پہچان ہو

موئن جودڑو

(مکرم حبدار علی ٹوٹانی صاحب-انور آباد ضلع لاڑکانہ)

وطنِ عزیز پاکستان جن علاقوں پر مشتمل ہے وہ انتہائی ممتاز اور بنی نوع انسان کی قدیم ترین معلومہ تہذیب کا گہوارہ رہے ہیں۔ان قدیم تہذیبوں میں ہڑپہ (Harapa) (ساہیوال) کوٹ ڈیجی (Kotdiji) (ضلع خیر پور)، رانی کوٹ (Ranikot)، آمری Aamri (ضلع دادو)، ٹیکسلا اور کئی تہذیبیں ہیں لیکن یہاں ہم وادیٔ سندھ کی عظیم تہذیب ''موئن جودڑو'' کا ذکر کریں گے۔

موئن جودڑو یا ''موھن جودڑو'' جسے اردو میں ''مردوں کا ٹیلہ'' اور انگریزی میں Mound of Dead کہتے ہیں۔

۱۹۲۲ء میں بدھ دھرم کے آثار اور عبادتگاہوں کی تلاش میں لاڑکانہ سے تقریباً ۲۸ کلومیٹر جنوب میں ایک بڑے ٹیلے پر ایک اسٹوپا (Stupa) (بدھ عبادتگاہوں کا مینار) کی کھدائی کی گئی تو وہاں سے کچھ سکے اور ایک مہر ملی جو ہڑپہ (ساہیوال) کی تہذیب سے ملتی جلتی تھی۔اس کے بعد ماہرین آثار قدیمہ کے ڈائریکٹر سر جان مارشل (Sir John Marshall) (جو آثار قدیمہ میں بڑی دلچسپی رکھتے تھے) نے اپنی نگرانی میں اس ٹیلہ کی کھدائی اور تحقیق کروائی۔سر جان مارشل کے ساتھ دوسرے ماہرین آثار قدیمہ ڈاکٹر میکے (Dr Makay)، مارٹیمر وھیلر (Martimer Wheeler)، جارج ڈیلز (J.Dales)، سی جی گاڈ، محمد ادریس صدیقی اور برٹش میوزیم کے ماہر مسٹر سڈنی سمتھ بھی شریک تھے۔

مذکورہ بالا ماہرین و محققین کی محنت سے جب موئن جودڑو کی کھدائی اور اس کے حقائق کے بارے میں بتایا گیا تو لگا کہ جیسے بے حس مٹی کے ڈھیر سے آتش فشاں پہاڑ کا لاوا زمین کو چیر کر باہر نکل آیا ہے۔جس نے قدیم تہذیب سے دلچسپی رکھنے والے لوگوں اور محققوں کو محو حیرت میں ڈال دیا کیونکہ تقریباً ۵۰۰۰ ہزار سال پرانی تہذیب پھر نمودار ہوگئی۔

موئن جودڑو کی وسیع تباہ شدہ بستی ہمارے شاندار ماضی کی حسین تصویر اور ہماری پرانی عظمت کا چمکتا ہوا نشان جسے ہماری مادر وطن نے متبرک سمجھ کر اپنی بانہوں میں کئی سو سال تک چھپائے رکھا جسے آخر کار ماہرین آثار قدیمہ نے اپنی ان تھک کوششوں سے صفحہ ہستی پر پھر نمودار کیا۔جس کے سبب وادیٔ سندھ کے اوائلی باشندوں کے رسم و رواج، ہنرمندی مذہب اور انتظامی صلاحیتوں کے بارے میں حقائق دریافت ہوئے جس کی وجہ سے دنیا بھر کی تاریخ اور آثار قدیمہ سے دلچسپی رکھنے والوں کی نگاہیں اس کی جانب مبذول ہوئیں۔

موئن جودڑو شمالی سندھ کے ضلع لاڑکانہ میں کراچی کوئٹہ ریلوے لائن پر ڈوکری (موئن جودڑو) ریلوے اسٹیشن سے تقریباً ۱۲ کلومیٹر دور (مشرق کی طرف) ہے۔

لاڑکانہ شہر سے جنوب میں تقریباً 28 کلومیٹر دور سندھو دریا

کے دائیں کنارے پر واقع ہے۔

موئن جودڑو کی کھدائی کے بعد معلوم ہوا کہ یہ ماضی کا ایک خوشحال اور ترقی یافتہ شہر تھا جو مٹی کا ڈھیر بن گیا ہے۔ کسی اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر دیکھا جائے تو اس شہر کے چھ سات محلے نظر آئیں گے اور ہر ایک محلہ شمال جنوب میں 1200 فٹ اور مشرق مغرب میں 800 فٹ اراضی میں پھیلا ہوا ہے۔ ان محلوں کو کشادہ راستے ایک دوسرے سے علیحدہ کرتے ہیں۔ کھدائی کے نتیجے میں دریافت ہونے والا یہ شہر ٹیلوں کے بے ترتیب سلسلوں پر مشتمل ہے جس کے دو حصے ہیں۔

ا۔ بالائی حصہ: شہر کے اس حصہ میں ایک بڑا حوض Swimming Pool ہے۔ مذہبی پیشواؤں کے گھر، جامعہ یا مدرسہ، ایک ستون والا ہال بدھ اسٹوپا (یہ اسٹوپا بدھ مذہب والوں نے تباہی کے کافی بعد تعمیر کیا ہے) اور بیضوی شکل کا کنواں شامل ہیں۔

۲۔ زیریں حصہ: زیریں حصے میں رہائشی مکانات دوکانیں بازار اور کنویں وغیرہ آ جاتے ہیں۔

شہر کے زیریں حصہ کو تین محلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

ا۔ ایچ۔ آر۔ ایریا H.R Area
۲۔ وی۔ ایس۔ ایریا V.S Area
۳۔ ڈی۔ کے۔ ایریا D.K Area

یادر ہے کہ محلوں کے یہ نام ان کی کھدائی کرنے والے ماہرین مسٹر ھارگریوز (Hargreaves) کے نام کے سبب H.R.Area رکھا گیا۔ V.S.Area کا نام اس محلے کی کھدائی کرنے والے ماہر مادھو سروپ وٹس (Madhosaroop Vats) جب کہ D.K.Area کا نام کھدائی کرنے والے ماہر مسٹر کے۔ این ڈکشٹ K.N Dixit کے نام پر رکھا گیا ہے۔

بالائی حصے کی خاص جگہوں کا تعارف

اسٹوپا (Stupa): اسٹوپا بدھ ازم کے دور کی عمارت ہے۔ جس کی بلندی اور کشش نے ہی آثار قدیمہ کے ماہرین کو متوجہ کرایا تھا۔ یہ اسٹوپا سطح زمین سے تقریباً 70 فٹ اونچا ہے۔ جو اینٹوں اور گارے سے بنایا گیا ہے۔ کسی شخص نے ہیروں اور جواہرات کی تلاش میں اس کے اندر 14 فٹ گہری خندق کھودی تھی اور اسے کچھ پرانے زمانہ کی اشیاء ملیں تھیں جو اس نے بیکار سمجھ کر چھوڑ دیں۔ جب وہ اشیاء آثار قدیمہ کے ماہرین کو ملیں تو وہ سمجھ گئے کہ یہاں پر ماضی کی کوئی قدیم تہذیب مدفون ہے۔ وہیں سے اس کی کھدائی شروع کروائی۔ اس وقت اسٹوپا کا گنبد منہدم ہو گیا ہے۔ اور اس کے ڈھانچے کا باقی آدھا حصہ بچا ہے۔ جس کا قطر 33.6 فٹ ہے جو کہ 8.4 فٹ اونچے چبوترے پر واقع ہے۔

بڑا حوض

اسٹوپا کے شمال مشرق میں مستطیل شکل کا ایک بڑا حوض ہے۔ جس کی لمبائی 29 فٹ اور چوڑائی 23 فٹ ہے۔ حوض میں اترنے کے لئے شمال اور جنوب میں سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ حوض کے چاروں طرف برآمدہ بنا ہوا ہے۔ جہاں پر چھوٹے چھوٹے کمرے بنے ہوئے ہیں اور بیچ میں ایک بڑا کمرہ ہے جہاں پر کنواں بنا ہوا ہے۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کنویں کے پانی سے حوض کو بھرا جاتا تھا۔ حوض کے پانی کی نکاسی کا بہترین انتظام موجود

ہے۔حوض کے ساتھ ہی آٹھ غسل خانے بنے ہوئے ہیں تا کہ نہانے سے پہلے اور بعد میں صاف پانی سے جسم کو دھویا جاسکے اس حوض سے پتہ لگتا ہے کہ یہاں پر خاص آدمی مثلاً رؤساء، حکام اور دیگر معززین غسل کرتے تھے۔

جامعہ یا مدرسہ

مذکورہ حوض اور اسٹوپا کے درمیان ایک شاندار عمارت ہے جس کی لمبائی 253 فٹ 7 انچ ہے اور چوڑائی 78 فٹ 5 انچ ہے۔اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ کسی پنڈت کا گھر تھا یا کوئی مدرسہ یا جامعہ۔اس عمارت کی دیواریں 4 فٹ چوڑی ہیں جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ دو منزلہ یا سہ منزلہ عمارت تھی جس کے چاروں طرف کئی چھوٹے چھوٹے رہائش کے کمرے تھے۔جس سے اندازہ لگایا جاتا ہے کہ شاید یہ کوئی ہاسٹل تھا جہاں طلباء قیام کرتے تھے۔

زیریں شہر

زیریں شہر جو مکانوں اور دوکانوں وغیرہ پر مشتمل ہے۔ یہاں کے سارے مکان پکی اینٹوں سے بنے ہوئے ہیں جن پر پورا غور کرنے کے بعد ہم آسانی کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ یہ لوگ فن تعمیر میں بڑی قابلیت رکھتے تھے۔ ان کے گھر دوکانیں، مکتب، کنویں، راستے سب اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ ماضی کا ایک خوبصورت شہر تھا جو آج مٹی کا ڈھیر بنا ہوا ہے۔

زیریں شہر کی تعمیر کرتے وقت ان کی زیبائش سے زیادہ پائیداری اور مضبوطی کو خاص طور پر ملحوظ نظر رکھا گیا ہے۔ کمروں کی لمبائی اور چوڑائی ہمارے موجودہ کمروں سے کم ہے کیونکہ ان کی دیواریں بہت چوڑی بنی ہوئی ہیں۔یہ ساری دیواریں پکی اینٹوں اور گارے کی بنی ہوئی ہیں۔

یہاں کے راستے اور گلیاں کافی کشادہ اور صاف ہیں۔اکثر گلیاں شمال جنوب اور مشرق مغرب کے رخ پر بنی ہوئی ہیں۔ گمان کیا جاتا ہے کہ راستوں کے یہ اطراف ہواؤں کے رخ کو نگاہ میں رکھتے ہوئے بنائے گئے ہیں۔

کنویں

کنویں موئن جودڑو کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔ ہر کھدائی کے بعد معلوم ہوا ہے کہ تقریباً ہر گھر میں کنواں موجود ہے علاوہ ازیں شہر کی عام جگہوں اور ہر چوک پر کنویں کھدوائے گئے تھے۔اکثر کنویں گول بنائے گئے ہیں لیکن بعض جگہوں پر بیضوی شکل کے کنویں بھی ہیں۔ان کنووں کے بارے میں محمد ادریس صدیقی صاحب (جو موئن جودڑو کی کھدائی کرنے والی ٹیم کے خود بھی ممبر تھے) لکھتے ہیں کہ:-

”کنویں موئن جودڑو کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔ ہزاروں سال پرانے ہونے کے باوجود، گند کچرہ صاف کرنے کے بعد آج بھی نہایت صاف اور ٹھنڈا پانی رکھتے ہیں۔جس وقت یہاں کھدائی شروع ہوئی تھی تب آثار قدیمہ کے ملازموں اور مزدوروں کو پینے کے لئے پانی تین میل کے فاصلے سے لانا پڑتا تھا۔اس تکلیف سے بچنے کے لئے پرانے کنووں کی کھدائی کی گئی اور صاف ہونے کے بعد ٹھنڈا اور میٹھا پانی حاصل ہوا“۔

بعض کنویں تقریباً 200 فٹ گہرے ہیں۔

صفائی

موئن جودڑو کے لوگ صفائی کا بڑا خیال رکھتے تھے راستوں، کنووں اور گلیوں سے نکاسی آب کا بہترین انتظام تھا۔ گلیوں کے دونوں اطراف میں پکی نالیاں بنی ہوئی تھیں جو پانی لے کر بڑے نالوں میں لے جاتی تھیں یہ نالیاں اوپر سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ گھروں کا گندا پانی یا بارش کا پانی براہِ راست نالیوں میں نہیں جاتا تھا بلکہ گھروں کے اندر یا باہر چھوٹے حوض بنائے جاتے تھے جہاں پر چھوٹی نالیاں گندا پانی لے جاتی تھیں وہاں پر گند، کچرہ اور پتھر وغیرہ حوض میں رہ جاتے تھے اور پانی آسانی کے ساتھ نکل جاتا تھا اور گٹر سسٹم فیل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

جہاں غریب لوگ یہ حوض نہیں بنا سکتے تھے وہاں پر بڑے مٹکے رکھتے تھے پھر اُن سے پانی نکل جاتا تھا۔ ان تمام باتوں کو دیکھ کر یہ دعویٰ کیا جائے کہ ہمعصر تہذیبوں میں دوسری کوئی قوم ان کی ثانی نہ تھی۔

غسل خانے

موئن جودڑو میں بعض ایسی جگہیں بھی ملی ہیں جن سے گمان کیا جاتا ہے کہ یہ حمام (غسل خانے) تھے۔ ان جگہوں کی دیواروں کے ساتھ "نل" لگے ہوئے ہیں۔ اور اندر سے کوئلہ اور راکھ ملی ہے جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ حمام یا غسل خانے تھے۔

سکے

کھدائی کے بعد یہاں سے مختلف اشیاء ملی ہیں۔ جن میں سکے، مٹی کے برتن، کانسی کے ہتھیار، پتھر کی مورتیں وغیرہ شامل ہیں۔

ان اشیاء کو دیکھ کر یہ اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ یہ لوگ مٹی، کانسی، لوہے اور پتھر کے استعمال سے بخوبی واقف اور ماہر تھے۔

یہاں سے جو سکے دریافت ہوئے ہیں ان پر بیل کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ گھروں کی کھدائی کے بعد سونا، چاندی کے زیورات، کانسی اور مٹی کے برتن اور کھلونے بھی ملے ہیں۔ کاٹنے کے لئے چھریاں چاقو وغیرہ بھی ملے ہیں۔ جو پتھر کے بنے ہوئے ہیں۔

کئی قسم کے مجسمے اور جانوروں کی تصاویر ملی ہیں۔ سب سے زیادہ اہمیت والی تصویر بیل کی ہے اور بیل گاڑی بھی ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ یہاں گھوڑے کا کوئی نشان یا تصویر نہیں ملی۔

ذریعہ معاش

یہاں کا ذریعہ معاش زراعت تھا۔ یہاں سے گندم اور جو کے گلے سڑے دانے ملے ہیں۔ کپڑے کا ایک ٹکڑا اور سوت کاتنے کے لئے چرخے بھی دریافت ہوئے ہیں جس سے پتہ لگتا ہے کہ یہ لوگ کپاس کی فصل سے بھی واقف تھے۔ بیل گاڑیاں اور بیلوں کے مجسمے بھی اس چیز کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ لوگ ان بیلوں کو زراعت کے کام میں استعمال کرتے تھے۔

مذہب

یہاں کے مذہب کے بارے میں کوئی خاص ثبوت نہیں ہے لیکن جو چیزیں یہاں سے دریافت ہوئی ہیں۔ ان سے پتہ

لگتا ہے کہ یہ لوگ بت پرست تھے اور یہ حیوانوں، دیوتاؤں، درختوں اور آگ کی بھی پوجا کرتے تھے۔ یہاں پر اکثر دیویوں اور دیوتاؤں کے بت ملے ہیں اور جو مہریں ملی ہیں ان پر جانوروں اور درختوں کی تصاویر بنی ہوئی ہیں۔ ان درختوں میں پیپل، نیم اور بیری کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

رسم الخط

موئن جودڑو سے جو مہریں ملی ہیں ان پر جو زبان لکھی ہوئی ہے ابھی تک ماہرین آثار قدیمہ یا ماہرین لسانیات نہیں پڑھ سکے تھے۔ تاہم ابھی سندھی کے ایک معروف ماہر لسانیات عطا محمد بھنبھرو (Atta Muhammad Bhinbhro) نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ موئن جودڑو کی زبان پڑھ لکھ سکتے ہیں اور ان کے جملے بھی بنا سکتے ہیں۔ ان کے بقول 300 مہروں پر 32 سو الفاظ پڑھ چکے ہیں۔ انڈس اسکرپٹ دائیں سے بائیں لکھی جاتی تھی۔ انہوں نے 500 صفحات پر ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ (بحوالہ روزنامہ کاوش حیدرآباد 16 دسمبر 2002ء)

موئن جودڑو کی تباہی

یہ راز ابھی تک کوئی نہیں جان سکا کہ یہ عظیم تہذیب کس طرح تباہ ہوئی، لیکن اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یا تو یہاں کوئی زلزلہ آیا جس نے اس شہر کو تباہ کر دیا۔ سندھو دریا کے کنارے پر واقع ہونے کی وجہ سے کوئی بڑا اسیلاب آیا اور اس نے شہر کو تباہ کیا یا شمال سے کسی قوم نے تباہی مچا کر اس تہذیب کو ہمیشہ ہمیش کی نیند میں سلا دیا۔

موئن جودڑو اس وقت پوری دنیا میں مشہور ہے۔ بیرون

> سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:-
> **"امام سے وابستگی میں ہی سب برکتیں ہیں اور وہی آپ کے لئے ہر قسم کے فتنوں اور ابتلاؤں کے مقابلے کے لئے ایک ڈھال ہے"۔** (الفضل انٹرنیشنل ۲ تا ۸ مئی ۲۰۰۳)

ملک سے ہزاروں سیاح یہاں پر آتے ہیں۔ یہاں پر ایک میوزیم بھی بنایا گیا ہے۔ جس میں یہاں کی چیزیں رکھی گئی ہیں۔ علاوہ ازیں آثار قدیمہ کے آفس اور مسافر خانہ بھی بنا ہوا ہے۔ یہاں پر ایک ہوائی اڈہ بھی قائم ہے۔

یہاں بظاہر ویران شہر کے کھنڈرات ہیں جہاں پر اینٹیں اور پتھر وغیرہ نظر آتے ہیں لیکن ماہرین کی نظر میں یہ ٹیلہ بڑی دولت ہے۔ جس سے قدیم زمانہ کے لوگوں اور ان کی رہن سہن کا پتہ لگتا ہے۔ بہرحال یہ ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ شہری منصوبہ بندی اور تعمیراتی فن کا یہ معراج وادیٔ سندھ کے قدیم فرزندان کی صدیوں کی مسلسل عملی کاوش کا نتیجہ تھا۔ البتہ اس بات کا بڑی محنت اور تحقیق کے بعد علم ہوگا کہ ان اقوام نے دنیا میں اپنے زمانے میں کس کس کے ساتھ رابطے کئے اور آنے والی نسلوں کو کیا فائدے پہنچائے۔

امدادی کتب

۱۔ وادیٔ سندھ کی تہذیب از محمد ادریس صدیقی
۲۔ شاہین میگزین 2000ء۔ گورنمنٹ ڈگری کالج نصیر آباد
۳۔ روزنامہ کاوش (سندھی) حیدرآباد
۴۔ لاڑکانہ صدیوں سے (سندھی) مرتب: ڈاکٹر بشیر احمد شاد

❖❖❖❖

رپورٹ ٹیبل ٹینس وسنوکر ٹورنامنٹ

زیر انتظام: مجلس خدام الاحمدیہ علاقہ راولپنڈی 19 تا 21/ مارچ 2004ء

(رپورٹ مکرم ہمایوں شیخ صاحب۔ نائب قائد علاقہ و ناظم صحت جسمانی علاقہ راولپنڈی)

خدا تعالیٰ کے فضل وکرم کے ساتھ مجلس خدام الاحمدیہ علاقہ راولپنڈی کو 19 تا 21/ مارچ 2004ء پہلا آل پاکستان سیدنا طاہر ٹیبل ٹینس اور آل پاکستان قدرت اللہ خان سنوکر ٹورنامنٹ کروانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اس ٹورنامنٹ میں کل 13 علاقہ جات کے 105 کھلاڑیوں اور 8 نگران علاقہ جات نے شرکت کی۔ اس ٹورنامنٹ کا افتتاح مکرم و محترم رفیق احمد ناصر صاحب مہتمم صحت جسمانی خدام الاحمدیہ پاکستان نے مؤرخہ 19/ مارچ 2004ء بروز جمعۃ المبارک کیا۔

ٹورنامنٹ کمیٹی

ناظم اعلیٰ سپورٹس ریلی	مکرم ناصر محمود صاحب
نائب ناظم اعلیٰ سپورٹس ریلی	مکرم ہمایوں شیخ صاحب
ناظم مقابلہ جات ٹیبل ٹینس	مکرم وحید عمر صاحب
ناظم مقابلہ جات سنوکر	مکرم طاہر ڈار صاحب
ناظم رجسٹریشن ورابطہ	مکرم خواجہ ظہور صاحب
	مکرم کاشف ہمایوں صاحب
ناظم رہائش ومہمان نوازی	مکرم قدیر قریشی صاحب
ناظم ضیافت	مکرم عبدالعلی مدثر صاحب
ناظم نظم وضبط	مکرم قاضی محمد اجمل صاحب
ناظم ٹرانسپورٹ	مکرم ابراہیم درد صاحب
ناظم سٹیج وانعامات	مکرم حامد جلال صاحب
ناظم طبی امداد	مکرم ڈاکٹر مبشر شرما صاحب
ناظم عمومی	مکرم ظہور احمد صاحب
ناظم اخراجات	مکرم شیخ خالد صاحب
ناظم سمعی بصری	مکرم شیخ ناسک صاحب
نائب ناظم مقابلہ جات ٹیبل ٹینس	مکرم قاضی محمد افضل صاحب
نائب ناظم مقابلہ سنوکر	مکرم اکبر فیضی صاحب

ٹیبل ٹینس

ٹیبل ٹینس کے مقابلہ جات میں 11 علاقہ جات کے 45 کھلاڑیوں نے شرکت کی۔ ٹیبل ٹینس میں ٹیم ایونٹ لیگ سسٹم، سنگل ناک آوٹ سسٹم اور ڈبل لیگ سسٹم کے مقابلہ جات شامل تھے۔ ٹیم ایونٹ کو دو پولز میں تقسیم کیا گیا تھا اور ہر پول میں 3 علاقہ جات کی ٹیمیں شامل تھیں۔ پول اے میں علاقہ فیصل آباد، گوجرانوالہ اور ربوہ جب کہ پول بی میں علاقہ راولپنڈی کراچی اور لاہور کی ٹیمیں شامل تھیں۔ سنگل ناک آوٹ سسٹم میں ہر علاقہ سے زیادہ سے زیادہ 9 کھلاڑیوں نے حصہ لیا۔ کھلاڑیوں کو 8 پولز میں تقسیم کیا گیا اور ہر پول میں زیادہ سے زیادہ 6 کھلاڑی شامل تھے۔ ڈبل لیگ سسٹم میں ہر علاقہ سے زیادہ سے زیادہ 3 پیئرز شامل ہو سکتے تھے۔ اس طرح کھلاڑیوں کو 4 پولز میں تقسیم کیا گیا تھا اور ہر پول میں 5 پیئرز شامل ہوئے۔ ہر میچ Best of three جب کہ کوارٹر فائنل، سیمی فائنل اور فائنل Best of five کھیلا گیا۔

	اوّل	دوم
سنگل	منیب احمد۔علاقہ ربوہ	فاروق احمد۔علاقہ راولپنڈی
ڈبل	افضل احمد، طارق طلحہ علاقہ ربوہ	جنید احمد، خلیق احمد علاقہ راولپنڈی
ٹیم	علاقہ ربوہ	علاقہ راولپنڈی

سنوکر کے مقابلہ جات میں 13 علاقہ جات واضلاع کے 60 کھلاڑیوں نے حصہ لیا۔سنوکر میں بھی ہر علاقہ سے زیادہ سے زیادہ 6 کھلاڑیوں نے حصہ لیا۔کھلاڑیوں کو 10 پولز میں تقسیم کیا گیا اور ہر پول میں زیادہ سے زیادہ 6 کھلاڑی شامل تھے۔سنوکر کے مقابلہ جات ناک آؤٹ سسٹم پر کروائے گئے اور ہر میچ Best of three فریمز پر مشتمل تھا جب کہ فائنل Best of seven فریمز پر ہوا۔سنوکر کا فائنل میچ بہت ہی دلچسپ رہا اور یہ میچ تقریباً ڈھائی گھنٹے جاری رہا اور میچ کا فیصلہ ساتویں گیم میں آخری Black Ball پر ہوا۔

اوّل	دوم	سوم
احمد کلیم علاقہ لاہور	طاہر عزیز علاقہ ربوہ	مقصود احمد علاقہ ربوہ
بیسٹ بریک	نوید احمد علاقہ کراچی (45points)	

مؤرخہ 21 رمارچ 2004ء کو اختتامی تقریب منعقد ہوئی جس کی صدارت مکرم نصیب احمد بٹ صاحب معتمد مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان نے کی۔معتمد صاحب خدام الاحمدیہ پاکستان نے کھلاڑیوں میں انعامات تقسیم کئے اور دعا پر یہ ٹورنامنٹ اختتام پذیر ہوا۔

الفارابی

ایک مشہور مسلمان فلسفی

(مکرم طاہر احمد مختار صاحب۔ گوجرہ)

آپ کا پورا نام ابوالنصر محمد بن ترخان ابن اوزلغ الفارابی تھا۔ (''ابوالنصر'' کا لقب بعض اوقات اپنے کام یا مقصد میں کامیاب ہونے والوں کو بھی دے دیا جاتا ہے) آپ 870ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کا جائے پیدائش وسیج یا واسج ہے جو فاراب کے قریب ترکستان میں ہے۔ آپ کے والد کا نام محمد تھا جو ایک ترک سپہ سالار تھے یورپ میں آپ AlPharabius کے نام سے معروف ہیں۔ آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم فاراب میں حاصل کی پھر آپ بخارا گئے اور بالآخر اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے آپ بغداد تشریف لے گئے۔ یہ تقریباً 901ء تا 942ء کا دور بنتا ہے۔ اس دوران آپ نے بے شمار زبانوں میں مہارت حاصل کی۔ آپ نے مختلف علوم پر بنیادی کام کئے جن پر بعد میں اہل یورپ نے اپنی علمی ترقیات کی عمارات تعمیر کیں۔ پورے قرون وسطیٰ کے سب سے بڑے حکیم اور آپ کے عہد کے مسلمانوں میں فلسفہ مادیت کے سب سے پہلے علمبردار ابوبکر الرازی آپ کے ہم عصر تھے۔ آپ کو حصول تعلیم کا بے حد شوق تھا جس کی وجہ سے آپ نے بہت دور کے ممالک کے سفر بھی اختیار کئے۔ آپ نے کچھ دیر دمشق اور مصر میں بھی قیام کیا لیکن پھر بغداد لوٹ گئے۔ آپ بغداد میں قیام کے دوران قاضی بھی رہے مگر پھر پڑھانے کا پیشہ اختیار کیا۔ آپ کو ابتداء میں بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ آپ نے باغبانی کا پیشہ اختیار کیا۔ آپ کی اس دور کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو علم حاصل کرنے کا اس حد تک شوق تھا کہ آپ رات کو اپنے مالک کے باغ میں موم بتی جلا کر فلسفہ کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔ یہ آپ کے بغداد میں قیام کے ایام تھے، جب آپ نے بڑی تنگ دستی میں گزر بسر کیا۔ آپ پست قامت تھے اور آپ نے ہمیشہ ترکی لباس اور وضع قطع قائم رکھی۔ یہاں تک کہ بغداد، حلب اور دمشق وغیرہ میں بھی ترک لباس نہ چھوڑا۔ آپ کی سوانح عمری کے لئے جن چار کتب کی طرف ہمیشہ رجوع کیا جاتا ہے وہ اپنے سال تصنیف کی ترتیب سے حسب ذیل ہیں:

1: ابوالحسن البیھقی (م ۱۱۷۰ء): تتمّہ صوان الحکمۃ
2: کتاب اخبار العلماء فی اخبار الحُکماء
3: ابن ابی اُصَیبعہ (م ۱۲۷۰) عیون الانباء فی طبقات الاطبّاء
4: ابن خَلّکان (م ۱۲۸۲) وفیات الاعیان

ان میں سے ابن خَلّکان فارابی کے عہد سے بعید ترین زمانہ میں گزرا ہے اور اسی کی تصنیف میں فارابی کے حالات زندگی کے ساتھ سب سے زیادہ رومانی بیانات اور حکایات

شامل کی گئی ہیں۔ان چاروں کتب سے جو معلومات حاصل ہوتی ہیں ان کی رو سے فارابی سکون، تنہائی اور عزلت میں بیٹھ کر کام کرنے کے دلدادہ تھے۔آپ اکثر اوقات باغ باغیچوں میں گشت کرتے اور لوگوں سے ملنے جلنے سے گھبراتے تھے۔

فارابی کی سوانح حیات کے مطالعہ کے دوران اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اس جلیل القدر عالم کی عظمت کو حد سے زیادہ بڑھانے کی غرض سے مبالغہ آرائی سے کام لیا گیا ہے اور آپ سے بعض ایسے فرضی مناقب منسوب کر دیے گئے ہیں جنہیں چنداں اہمیت نہیں دینی چاہیے۔

الغرض جو بات آپ کی زندگی میں اہمیت کی حامل ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے فلسفہ، منطق، مابعد الطبیعات، طب، نفسیات، ریاضیات، عمرانیات اور موسیقی میں خاصی دسترس حاصل کی اور بالخصوص فلسفہ، منطق، عمرانیات اور موسیقی میں کمال حاصل کیا۔عربی زبان میں بھی آپ کو خاصی مہارت حاصل تھی۔فلسفہ میں آپ نے افلاطون اور ارسطو کے بیان کردہ علوم میں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ارسطو کی تصانیف کے عربی ترجموں کو تدقیق اور شرح و ایضاح کے ساتھ پیش کیا۔ایک روایت کے مطابق آپ نے ارسطو کی ''کتاب النفس'' کو سو بار اور ''السمّاع الطبیعی'' کو چالیس مرتبہ پڑھا تھا۔شاید اسی وجہ سے آپ کو معلّم الثانی کہا جاتا ہے جب کہ معلم الاول ارسطو سمجھے جاتے ہیں۔منطقی علوم کو سمجھنے کے لئے آپ نے اسے دو شاخوں میں تقسیم کیا۔ 1: تخیل 2: ثبوت۔عمرانیات میں آپ کی مہارت کا علم آپ کی کتاب ''رسالة فی آراء اهل المدینة الفاضلة'' سے ہوتا ہے۔علاوہ ازیں موسیقی پر بھی آپ نے مختلف کتب تحریر کیں اور آپ اس فن کے بڑے ماہر تھے۔اسی طرح ایک روایت یہ بھی ملتی ہے کہ فارابی نے ایک مجلس میں ایک ساز اس خوبی سے بجایا کہ حاضرین پہلے تو ہنسے، پھر رونے لگے، پھر سب کے سب محو خواب ہو گئے اور فارابی مجلس سے نکل کر چل دیے۔طب سے بھی آپ کو شغف تھا مگر اتنا نہیں جتنا کہ ابن سینا اور ابن رشد کو تھا۔آپ کا مسلک زیادہ تر یہ تھا کہ ایک خوش فہم درویش کے انداز پر مذہب اور فلسفے کے باہمی تعلقات کا پتا لگایا جائے۔آپ عربی زبان میں مشرقی مکتب فلسفہ کے بانی اور اسلامی فلسفے کے موجد شمار ہوتے ہیں۔

ارشاد حضرت مصلح موعود نور اللہ مرقدہ

حضرت مصلح موعود آپ کے متعلق فرماتے ہیں: ''فارابی ایک مشہور مسلمان فلسفی گزرے ہیں۔جس طرح یورپ میں ہیگل وغیرہ مشہور ہیں اسی طرح مسلمانوں میں فارابی اسی پایہ کے فلسفی تھے۔سارا دن فلسفہ اور ادب کی باتوں میں ہی مشغول رہتے تھے۔زبان کے لحاظ سے بھی بہت بڑے ادیب تھے اور چوٹی کے زباندان سمجھے جاتے تھے۔ایک دفعہ وہ بازار میں سے گزر رہے تھے انہوں نے دیکھا کہ ایک آٹھ نو سال کا لڑکا حلوا بیچ رہا ہے انہوں نے اس لڑکے سے پوچھا کَیْفَ تَبِیْعُ الْحَلْوٰی تم حلوا کس طرح بیچتے ہو۔اس نے کہا رِطلاً بِدِرْهَمٍ ایک درہم کے بدلہ میں ایک پونڈ دیتا ہوں۔فارابی نے یہ جواب سنا تو انہوں نے اس کے گلے میں پٹکا ڈال لیا اور شور مچا دیا کہ کتنا بڑا اندھیر ہے عربی زبان کا خون ہو رہا ہے اور کوئی شخص توجہ نہیں کرتا۔ادھر لڑکے نے چیخیں مارنا

شروع کر دیا۔ شور سن کر بہت سے لوگ اکٹھے ہو گئے چونکہ وہ آدمی بڑے پایہ کے تھے اس لئے کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ وہ لڑکے کوان کے ہاتھ سے چھڑائے......لوگ حیران تھے لیکن بات میں دخل نہ دے سکتے تھے۔ آخر بلدہ کا کمشنر پولیس آیا۔ پہلے تو وہ اس نظارہ کو دیکھ کر گھبرایا۔ مگر آدمی ہوشیار تھا کہنے لگا حضور اس مجرم کو چھوڑ یئے اور ہمارے حوالے کیجئے ہم اس کو سزا دیں گے پھر اس نے پوچھا کہ حضور اس نے قصور کیا کیا ہے۔ انہوں نے کہا قصور کا پوچھتے ہو۔ اس سے بڑھ کر قصور کیا ہو گا کہ میں کَیْفَ سے سوال کرتا ہوں اور یہ کَمْ کا جواب دیتا ہے۔ ہماری زبان برباد کر دی گئی اور ہم پر ظلم کیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ فارابی تو ایک بچے سے بھی یہ امید رکھتے تھے کہ وہ صحیح عربی بولے''۔

(تفسیر کبیر جلد دہم صفحہ ۱۹، ۲۰)

آپ کی چند اہم تصنیفات

☆ **التعلیم الثانی**: یہ کتاب آپ نے اس وقت تحریر کی جب اس وقت کے بادشاہ منصور بن نوح نے آپ کو اپنے پاس بلا کر آپ سے اس کے تحریر کرنے کے متعلق کہا۔ اس میں آپ کے زمانے تک کی جتنی یونانی فلسفہ کی کتابیں مختلف مترجموں نے ترجمہ کی تھیں ان سب کا خلاصہ درج کر دیا گیا۔

☆ **اِحْصَاءُ العلوم و التّعریف بِاغْرَاضِھا**: عربی کی اولین دائرہ معارف (Encyclopeadia) جو علوم کی تقسیم اور تعریف اور ان کے موضوعات پر حاوی ہے۔ فارابی کی اس کتاب نے علوم کی تقسیم کے نظریہ کے لحاظ سے قرون وسطیٰ کے فکر و فلسفہ پر بہت گہرا اثر ڈالا ہے۔ فارابی کی یہ تصنیف سب سے پہلی کتاب ہے جس میں علم کی اقسام کو مقرر کرنے کا یہ اصول بیان کیا گیا ہے کہ علوم کو جمع اور یکجا کیا جائے اور ایک دوسرے سے ملا کر ان میں ترکیب پیدا کی جائے۔

☆ **رسالة فی العقل**: یہ کتاب آپ کی عربی لغت میں دسترس کو ظاہر کرتی ہے۔ اس میں آپ نے عربی لفظ ''عقل'' کے بے شمار معانی بیان کئے ہیں اور عقل یا شعور کو 6 بنیادی قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ اس رسالہ سے فارابی کا فلسفۂ علم ظاہر ہوتا ہے۔

☆ **کتـاب الـحـروف**: اس میں ارسطو کے مابعد الطبیعات کی شرح ہے اور یہ فلسفے کے علاوہ لسانیات پر بھی ایک بہت عمدہ کتاب ہے۔

☆ Al Farabi's Phisophische Abhandlungn: یہ دو رسالوں پر مشتمل فارابی کی درج ذیل تصنیفات کا مجموعہ ہے:-

(الف) کتـاب الـجـمـع بیـن رایـی الـحَـکیمین افلاطون الالٰھی وارسطاطالیس

(ب) فی اغراض الـحـکیـم فـی کـل مقالة من الـکـتـاب الـمـوسـوم بـالحروف الکتاب الابانة عن غرض ارسطاطالیس

(ج) مقالات فی مَعَایِیْر العقل

(د) رسالة فی ما ینبغی ان یُقدّم قبل تعلّم الفلسفة

(ہ) عیون المسائل

(و) فُصُوصُ الحِکَم: یہ آپ کی ایک مشہور تصنیف ہے

جو آپ نے فلسفہ پر لکھی تھی۔ یہ کتاب آج بھی مشرق کے بعض اداروں میں پڑھائی جارہی ہے۔

(ز) رسالة فی جواب مسائل سئل عنها (مسائل الفلسفة والاَجُوبَة عنها)

(ح) نُكَتُ ابی نصر الفارابی ما يصح و ما لايصح من الاحكام النجوم.

(اس مجموعہ کو 1890ء میں Fr.Dietrici نے لندن، لائڈن اور برلن کے کتب خانوں سے اکٹھا کر کے دو جلدوں کی صورت میں شائع کیا)

☆ رسالة فی آراء اهل المدينة الفاضِلة: اسے بھی Fr.Dietrici نے 1895ء میں Der Muststaat کے نام سے شائع کیا اور پھر اسی نے اس کو 1900ء میں جرمن ترجمہ کے ساتھ شائع کیا۔ اس کتاب میں مسائل الٰہیات اور مابعد الطبیعات پر بحث کرنے کے بعد فارابی آسمان سے زمین پر اتر آتا ہے اور مادے اور انسان کے موضوع پر قلم فرسائی کرتا ہے اور پھر نفسیات، اخلاق اور سیاست کے مضمون کو زیر بحث لاتا ہے۔

☆ السياسة المدينة: (حیدرآباد ۱۳۴۶ء) یہ رسالہ بھی اسی مضمون پر لکھا گیا ہے جس پر "رسالة فی آراء اهل المدينة الفاضلة" ہے۔ تاہم یہ دونوں کتابیں ایک دوسرے سے بالکل جدا ہیں۔

☆ كتاب التنبيه على سبيل السعادة: یہ بھی اخلاق سے متعلق ایک کتاب ہے جو ارسطو اور افلاطون کے خیالات میں مطابقت پیدا کرنے کی غرض سے تحریر کی گئی۔

☆ رسالة فی اثبات المفازات: اس کتاب نے ابن سینا کے فلسفے پر بہت گہرا اثر ڈالا ہے۔

☆ التَّعْلِيْقَات: مقولات (Aphorism) کی شکل میں حواشی۔ یہ زیادہ تر اس کی مختلف تصانیف کے باقی ماندہ اجزاء ہیں۔

☆ الموسيقى الكبير: یہ آپ کی موسیقی کے متعلق ایک مشہور تصنیف ہے جو میڈرڈ (سپین) کے کتب خانے میں موجود ہے۔

☆ المدخل فی الموسيقى: یہ کتاب استنبول (ترکی) کے کتب خانوں میں موجود ہے۔

☆ فلسفه افلاطون و مراتب اجزائها من اوّلها والى اخرها: اس کا قلمی نسخہ H. Ritter کو کتب خانہ "آیا صوفیا" میں ملا تھا۔ یہ نسخہ Plato Arabus کے نام سے لندن میں شائع ہوا۔

فارابی نے ان کے علاوہ اور بھی بہت سی کتب لکھی تھیں، لیکن یہ کتابیں ہم تک نہیں پہنچیں اور صرف ان کے نام صوان الحكمة میں اور ابن القِفطی، ابن ابی اُصَیبَعه اور ابن ابی خلّکان کی تصانیف میں ملتے ہیں۔

فارابی کو، جو اسلامی فلسفے کا (یونانی لفظ فلسفے کے صحیح معنوں میں) سب سے پہلے فلسفی تھے، نہ صرف مغرب کی علمی دنیا میں بلکہ مشرق میں بھی وہ شہرت نہیں ملی جو اس کے معنوی شاگرد ابن سینا اور ابن رشد کو حاصل ہے۔ مثال کے طور پر اس بارے میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرون وسطیٰ میں جنھیں ابن سینا

نے فارابی کی تصانیف سے ماخوذ اقتباسات کو اپنے واضح اور منظّم اسلوب اور ترتیب سے بیان کیا تو وہ خود مشہور ہو گیا لیکن فارابی کا نام روشن نہ ہو سکا۔ Dieterici پہلا مستشرق ہے جس نے گزشتہ صدی کے آخر میں فارابی کی بیشتر تصانیف کے ان سب اجزاء کو جو مخطوطات کی شکل میں یورپ کے کتب خانوں میں موجود تھے ایک ایک کر کے جمع کیا اور انہیں دو رسالوں کی شکل میں نشر کیا۔ اس کے بعد مصر، ترکی اور ہندوستان میں بھی فارابی کی تصانیف طبع ہونے لگیں، لیکن افسوس! فارابی کی جن تصانیف کا ذکر اس کے حالات زندگی میں ملتا ہے، آج ان میں سے بہت ہی کم دستیاب ہیں۔ اگرچہ آپ کی بہت سی کتب مفقود ہو چکی ہیں لیکن اب تک 117 کتب ملی ہیں جن میں سے 43 منطق، 11 مابعد الطبیعیات، 7 اخلاقیات، 7 سیاسیات پر، 17 موسیقی، طب اور عمرانیات پر ہیں اور 11 تصانیف مختلف قسم کی تشریحات پر مشتمل ہیں۔

آپ ساری عمر مجرد رہے اور 950ء میں دمشق میں 80 سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ ایک روایت کے مطابق آپ کو دمشق اور حلب کے درمیان ڈاکوؤں نے حملہ کر کے قتل کر ڈالا تھا۔

آپ ایک عظیم الشان مسلمان فلاسفر تھے جس کے علوم کو اس قدر پذیرائی نہ ملی جتنی کہ ان کو ملنے کا حق تھا۔ خاص کر مغرب میں تو آج شاید ایسے بہت ہی کم ہوں گے جو آپ کے نام سے بھی واقف ہوں گے۔ ہمیں اپنے ان عظیم الشان لوگوں کو یاد رکھنا چاہیے جن کے علوم پر آج اہل مغرب کی ترقیات کی بنیاد ہے۔

شوخئ تحریر

کافی

(مرسلہ: مکرم کاشف عمران خالد صاحب۔ کراچی)

میں نے سوال کیا ”آپ کافی پیتے ہیں؟“

اُنہوں نے جواب دیا ”آپ کیوں نہیں پیتے؟“

”مجھے اس میں سگار کی بُو آتی ہے“۔

”اگر آپ کا اشارہ اس کی سوندھی سوندھی خوشبو کی طرف ہے تو یہ آپ کی قوتِ شامہ کی کوتاہی ہے“۔

گو کہ اُن کا اشارہ صریحاً میری ناک کی طرف تھا، تاہم رفعِ شر کی خاطر مَیں نے کہا ”تھوڑی دیر کے لئے یہ مان لیتا ہوں کہ کافی میں سے واقعی بھینی بھینی مہک آتی ہے۔ مگر یہ کہاں کی منطق ہے کہ جو چیز ناک کو پسندیدہ ہو وہ حلق میں انڈیل لی جائے۔ اگر ایسا ہی ہے تو کافی کا عطر کیوں نہ کشید کیا جائے تاکہ ادبی محفلوں میں ایک دوسرے کے لگایا کریں“۔

تڑپ کر بولے ”صاحب! مَیں ماکولات میں معقولات کا دخل جائز نہیں سمجھتا۔ تاوقتیکہ اس کھلے کی اصل وجہ تلفظ کی مجبوری نہ ہو۔ کافی کی مہک سے لطف اندوز ہونے کے لئے ایک تربیت یافتہ ذوق کی ضرورت ہے۔ یہی سوندھا پن لگی ہوئی کھیر اور دُھنگارے رائتہ میں ہوتا ہے“۔

مَیں نے معذرت کی ”کُھرچن اور دُھنگار دونوں سے مجھے متلی ہوتی ہے“۔

فرمایا ”تعجب ہے! یُو پی میں تو شرفا بڑی رغبت سے کھاتے ہیں“

”میں نے اسی بنا پر ہندوستان چھوڑا“۔

چراندے ہو کر کہنے لگے ”آپ قائل ہو جاتے ہیں تو کج بحثی کرنے لگتے ہیں“۔

جواباً عرض کیا ”گرم ممالک میں بحث کا آغاز صحیح معنوں میں قائل ہونے کے بعد ہی ہوتا ہے۔ دانستہ دل آزاری ہمارے مشرب میں گناہ ہے۔ لہٰذا ہم اپنی اصل رائے کا اظہار صرف نشہ اور غصہ کے عالم میں کرتے ہیں۔ خیر، یہ تو جملہ معترضہ تھا، لیکن اگر یہ سچ ہے کہ کافی خوش ذائقہ ہوتی ہے تو کسی بچے کو پلا کر اُس کی صورت دیکھ لیجئے“۔

جھلا کر بولے ”آپ معصوم بچوں کو بحث میں کیوں گھسیٹتے ہیں؟

مَیں بھی اُلجھ گیا ”آپ لوگ ہمیشہ بچوں سے پہلے لفظ معصوم کیوں لگاتے ہیں؟

کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ کچھ بچے گنہگار بھی ہوتے ہیں؟ خیر، آپ کو بچوں پر اعتراض ہے تو بلی کو لیجئے“۔

”بلی ہی کیوں؟ بکری کیوں نہیں؟“ وہ سچ مچ مچلنے لگے۔

مَیں نے سمجھایا ”بلی اس لئے کہ جہاں تک پینے کی چیزوں کا تعلق ہے، بچے اور بلیاں برے بھلے کی کہیں بہتر تمیز رکھتے ہیں“۔

ارشاد ہوا ”کل کو آپ یہ کہیں گے کہ چونکہ بچوں اور بلیوں کو پکے گانے پسند نہیں آسکتے اس لئے وہ بھی لغو ہیں“۔

میں نے انہیں یقین دلایا ''میں ہرگز یہ نہیں کہہ سکتا۔ پکے راگ انہیں کی ایجاد ہیں۔ آپ نے بچوں کا رونا اور بلیوں کا لڑنا............''

بات کاٹ کر بولے ''بہرحال ثقافتی مسائل کا فیصلہ ہم بچوں اور بلیوں پر نہیں چھوڑ سکتے''۔

آپ کو یقین آئے یا نہ آئے، مگر یہ واقعہ ہے کہ جب بھی میں نے کافی کے بارے میں استصواب رائے عامہ کیا اس کا انجام اسی قسم کا ہوا۔ شائقین میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے اُلٹی جرح کرنے لگتے ہیں۔ اب مَیں اِسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ کافی اور کلاسیکی موسیقی کے بارے میں استفسارِ رائے عامہ کرنا بڑی ناعاقبت اندیشی ہے۔

زندگی میں صرف ایک شخص ایسا ملا جو واقعی کافی سے بیزار تھا۔ لیکن اس کی رائے اس لحاظ سے زیادہ قابل التفات نہیں کہ وہ ایک مشہور کافی ہاؤس کا مالک نکلا۔

***

عمدہ کافی بنانا بھی کیمیا گری سے کم نہیں۔ یہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ دونوں کے متعلق یہی سننے میں آیا ہے کہ بس ایک آنچ کی کسر رہ گئی۔ ہر ایک کافی ہاؤس اور خاندان کا ایک مخصوص نسخہ ہوتا ہے جو سینہ بہ سینہ، حلق بہ حلق منتقل ہوتا رہتا ہے۔ مشرقی افریقہ کے اُس انگریز افسر کا نسخہ تو سبھی کو معلوم ہے جس کی مزے دار کافی کی سارے ضلع میں دھوم تھی۔ ایک دن اُس نے ایک نہایت پرتکلف دعوت کی جس میں اس کے حبشی خانساماں نے بہت ہی خوش ذائقہ کافی بنائی۔ انگریز نے بہ نظر حوصلہ افزائی اس کو معزز مہمانوں کے سامنے طلب کیا اور کافی بنانے کی ترکیب پوچھی۔

حبشی نے جواب دیا ''بہت ہی سہل طریقہ ہے۔ میں بہت سا کھولتا ہوا پانی اور دودھ لیتا ہوں۔ پھر اس میں کافی ملا کر دم کرتا ہوں''۔

''لیکن اُسے حل کیسے کرتے ہیں۔ بہت مہین چھنی ہوتی ہے''۔

''حضور کے موزے میں چھانتا ہوں''۔

کیا مطلب؟ کیا تم میرے قیمتی ریشمی موزے استعمال کرتے ہیں؟'' آقا نے غضب ناک ہو کر پوچھا۔

خانساماں سہم گیا ''نہیں سرکار! میں آپ کے صاف موزے کبھی استعمال نہیں کرتا''

***

سچ عرض کرتا ہوں کہ مَیں کافی کی تُندی اور تلخی سے ذرا نہیں گھبراتا۔ بچپن ہی سے یونانی دواؤں کا عادی رہا ہوں اور قوت برداشت اتنی بڑھ گئی ہے کہ کڑوی سے کڑوی گولیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا!

لیکن کڑواہٹ اور مٹھاس کی آمیزش سے جو معتدل قوام بنتا ہے وہ میری برداشت سے باہر ہے۔ میری انتہا پسند طبیعت اس میٹھے زہر کی تاب نہیں لا سکتی۔ لیکن دقت یہ آن پڑتی ہے کہ میں میزبان کے اصرار کو عداوت اور وہ میرے انکار کو تکلف پر محمول کرتے ہیں۔ لہٰذا جب وہ میرے کپ میں شکر ڈالتے وقت اخلاقاً پوچھتے ہیں:

''ایک چمچہ یا دو؟''

تو مجبوراً یہی گزارش کرتا ہوں کہ میرے لئے شکر دان میں

کافی کے دو چمچے ڈال دیجئے۔ صاف ہی کیوں نہ کہہ دوں کہ جہاں تک اشیائے خورونوش کا تعلق ہے، مَیں تہذیب حواس کا قائل نہیں۔ مَیں یہ فوری فیصلہ ذہن کے بجائے زبان پر چھوڑنا پسند کرتا ہوں۔ پہلی نظر میں جو محبت ہو جاتی ہے، اس میں بالعموم نیت کا فتور کارفرما ہوتا ہے۔ لیکن کھانے پینے کے معاملہ میں یہ نظریہ ہے کہ پہلا ہی لقمہ یا گھونٹ فیصلہ کن ہوتا ہے۔ بدذائقہ کھانے کی عادت کو ذوق میں تبدیل کرنے کے لئے بڑا پتا مارنا پڑتا ہے۔ مگر میں اس سلسلہ میں برسوں تلخی کام و دہن گوارا کرنے کا حامی نہیں، تاوقتیکہ اس میں بیوی کا اصرار یا گرہستی مجبوریاں شامل نہ ہوں۔ بنابریں، مَیں ہر کافی پینے والے کو جنتی سمجھتا ہوں۔ میرا عقیدہ ہے کہ جو لوگ عمر بھر ہنسی خوشی یہ عذاب جھیلتے رہے، ان پر دوزخ اور حمیم حرام ہیں۔

***

کافی امریکہ کا قومی مشروب ہے۔ مَیں اس بحث میں نہیں الجھنا چاہتا کہ امریکی کلچر کافی کے زور سے پھیلا، یا کافی کلچر کے زور سے رائج ہوئی۔ یہ بعینہٖ ایسا سوال ہے جیسے کوئی بے ادب یہ پوچھ بیٹھے کہ ''غبار خاطر'' چائے کی وجہ سے مقبول ہوئی یا چائے ''غبارِ خاطر'' کے باعث؟ ایک صاحب نے مجھے لاجواب کرنے کی خاطر یہ دلیل پیش کی کہ امریکہ میں تو کافی اس قدر عام ہے کہ جیل میں بھی پلائی جاتی ہے۔ عرض کیا کہ جب خود قیدی اس پر احتجاج نہیں کرتے تو ہمیں کیا پڑی کہ وکالت کریں۔ پاکستانی جیلوں میں بھی قیدیوں کے ساتھ یہ سلوک روا رکھا جائے تو انسدادِ جرائم میں کافی مدد ملے گی۔ پھر اُنہوں نے بتلایا کہ وہاں لاعلاج مریضوں کو بشاش رکھنے کی غرض سے کافی پلائی جاتی ہے۔ کافی کے سریع التاثیر ہونے میں کیا کلام ہے۔ میرا خیال ہے کہ دمِ نزع حلق میں پانی کے بجائے کافی کے دو چار قطرے ٹپکا دیے جائیں تو مریض کا دم آسانی سے نکل جائے۔

***

مشرقی اور مغربی مشروبات کا موازنہ کرنے سے پہلے یہ بنیادی اصول ذہن نشین کر لینا ازبس ضروری ہے کہ ہماری یہاں پینے کی چیزوں میں کھانے کی خصوصیات ہوتی ہیں۔ اپنے قدیم مشروبات مثلاً یخنی، ستو اور فالودے پر نظر ڈالئے تو یہ فرق واضح ہو جاتا ہے۔ ستو اور فالودے کو خالصتاً لغوی معنوں میں نہ آپ کھا سکتے ہیں اور نہ پی سکتے ہیں بلکہ دنیا میں اگر کوئی شے ہے جسے آپ بامحاورہ اُردو میں بیک وقت کھا پی سکتے ہیں تو یہی ستو اور فالودہ ہے جو ٹھوس غذا اور ٹھنڈے شربت کے درمیان ایک ناقابل بیان سمجھوتہ ہے لیکن آج کل ان مشروبات کا استعمال خاص خاص تقریبوں میں ہی کیا جاتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اب ہم نے عداوت نکالنے کا ایک اور مہذب طریقہ اختیار کیا ہے۔

آپ کے ذہن میں خدانخواستہ یہ شبہ نہ پیدا ہو کہ راقم السطور کافی کے مقابلے میں چائے کا طرفدار ہے تو مضمون ختم کرنے سے پہلے اس غلط فہمی کا ازالہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ میں کافی سے اس لئے بیزار نہیں ہوں کہ مجھے چائے عزیز ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کافی کا جلا چائے پھونک پھونک کر پیتا ہے۔

ایک ہم ہیں کہ ہوئے ایسے پشیمان کہ بس
ایک وہ ہیں کہ جنہیں چائے کے ارماں ہوں گے

(چراغ تلے۔ مشتاق احمد یوسفی)

***

اعلان ولادت

مکرم شیخ محمد احسن صاحب قائد ضلع لودھراں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مورخہ 26 جون 2004ء کو پہلے بیٹے سے نوازا ہے۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ازراہِ شفقت بچے کا نام ''تفرید احمد شرجیل'' عطا فرمایا ہے۔ نومولود وقف نو کی مبارک تحریک میں شامل ہے۔ نومولود مکرم شیخ صدیق احمد صاحب صدر جماعت احمدیہ دنیا پور کا پوتا اور مکرم شیخ محمد حلیم صاحب آف ربوہ کا نواسہ ہے۔ بچے کی درازیٔ عمر کے لئے درخواست دعا ہے۔

کس قدر ظاہر ہے نور اُس مبدء الانوار کا
بن رہا ہے سارا عالم آئینہ اَبصار کا

چاند کو کل دیکھ کر مَیں سخت بے کل ہو گیا
کیونکہ کچھ کچھ تھا نشاں اُس میں جمالِ یار کا

ہے عجب جلوہ تری قدرت کا پیارے ہر طرف
جس طرف دیکھیں وہی رہ ہے ترے دیدار کا

چشمۂ خورشید میں موجیں تری مشہود ہیں
ہر ستارے میں تماشا ہے تری چمکار کا

تو نے خود روحوں پہ اپنے ہاتھ سے چھڑکا نمک
اس سے ہے شورِ محبت عاشقانِ زار کا

خوبرویوں میں ملاحت ہے ترے اس حُسن کی
ہر گل و گلشن میں ہے رنگ اس تری گلزار کا

چشمِ مستِ ہر حسیں ہر دم دکھاتی ہے تجھے
ہاتھ ہے تیری طرف ہر گیسوئے خمدار کا

تیرے ملنے کے لئے ہم مل گئے ہیں خاک میں
تا مگر درماں ہو کچھ اِس ہجر کے آزار کا

ایک دم بھی کل نہیں پڑتی مجھے تیرے سوا
جاں گھٹی جاتی ہے جیسے دل گھٹے بیمار کا

شور کیسا ہے ترے کوچہ میں لے جلدی خبر
خوں نہ ہو جائے کسی دیوانہ مجنوں وار کا

(سرمہ چشم آریہ۔ روحانی خزائن: جلد نمبر ۲، صفحہ نمبر ۵۲)

Monthly
C. Nagar
August 2004
Mansoor Ahmad Nooruddin
Regd. CPL # 75/CR